زمین ، کسان، اور غربت

پاکستان میں

منصفانہ زرعی اصلاحات

مظہر حسین عارف

تحریر	:	مظہر حسین عارف
ترجمہ	:	یاسمین فرخ
ایڈیٹر	:	انور چودھری
سب ایڈیٹر	:	شبنم رشید
تعداد	:	**5000**(پانچ ہزار)
اشاعتِ اوّل(انگریزی)	:	ستمبر **2004**ء
اشاعت (ترجمہ)	:	مارچ**2007**ء
کمپوزنگ/لے آؤٹ	:	شمائلہ حسان
ٹائیٹل/آرٹ ورک	:	محبوب علی
پرنٹر	:	شیخ غلام علی اینڈ سنز -لاہور
ناشر	:	ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ،پاکستان

جملہ حقوق: اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ترجمہ کرنے یا تشکیلِ نو کی غرض سے باضابطہ طور پر اجازت لینا ضروری ہے۔

کینیڈین انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ ایجنسی **(CIDA)**اور

سوئس ڈویلپمنٹ کو آپریشن **(SDC)**کی مالی معاونت کا شکریہ

اظہارِ تشکر

یہ نیٹ ورک پبلی کیشن کی کتاب، Equitable Land Reforms in Pakistan کا اردو ترجمہ ہے ہم اسے نیٹ ورک کی اجازت اور شکریہ کے ساتھ چھاپ رہے ہیں۔

فہرست

پیش لفظ (انگریزی ایڈیشن)

پیش لفظ (ترجمہ)

خلاصہ

- تعارف:
  - ☆ زرعی پیداوار میں انحطاط
  - ☆ زرعی زمین کازیاں
  - ☆ پانی کی قلت
  - ☆ آبادی میں اضافہ
- زرعی اصلاحات: تصور، نکتہ نظراور ماضی کے تجربات
  - ☆ ناکام تجربات
  - ☆ پاکستان کا تجربہ
- پاکستان میں زرعی اصلاحات کے اثرات
  - ☆ زمیندابطور زرعی صنعت کار
  - ☆ اُبھرتا ہُوا دیہی درمیانہ طبقہ
  - ☆ کسانوں کی حالتِ زار
  - ☆ ناقابلِ گزر اوقات کھیتی باڑی

☆ دیہی قرض داری

سرکاری زمین کی غیر منصفانہ تقسیم

☆ زراعت کے شعبے میں فوج کا عمل دخل

☆ ریٹائرڈ فوجیوں کی آباد کاری کا پروگرام

☆ جائیداد کی خریدوفروخت کا عمل

اکیسویں صدی میں زرعی اصلاحات کا ایجنڈا

☆ زرعی اصلاحات کی بحث

☆ زرعی مارکیٹیں

پاکستان کے تناظر میں زرعی اصلاحات

☆ عوام کی یادداشت سے ماؤف

☆ حقِ ملکیت کیلئے کِسانوں کی جدوجہد

☆ سندھ میں جبری مشقت کرنے والے ہاری

☆ گروہی سیاسی تعصّبات

☆ سوچ بچار کرنے والے اداروں کا کردار

ایک منصفانہ زرعی پالیسی کیلئے سفارشات

پیش لفظ

(انگریزی ایڈیشن)

اُنسٹھسال قبل جب پاکستان کے عوام نے برطانیه سے آزادی حاصل کی تو اُنہیں ایک بہت بڑی تبدیلی کا انتظار تھا، اُنہیں ایک طاقتور اور ظالم ریاست کے تسلّط سے نجات حاصل کرنے کے بعد آزاد مُلک کے شہری بننا تھا، ایک ایسا وطن جہاں اُن کی خواہشوں اور خوابوں کی تعبیر ہونا تھی، تاہم " آزادی" جلد ہی ایک " مغالطه " ثابت ہُوئی اور لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ آزادی آقائوں کی تبدیلی کے سوا کچھ نہیں!

مُلک میں جمہوری طرزِ حکومت اور مساویانه ترقی کے وعدوں نے عوام کو ہمیشه کی طرح دھوکے میں رکھا جب که حکمران طبقه نو آبادیاتی ذہنوں کے ساتھ عوام پر تسلّط قائم رکھنے کے طریقوں پر عمل پیرا رہا۔اب جبکه ترقی پذیر ممالک اپنے بہت سے گھمبیر مسائل کے حل کیلئے اچھی طرزِ حکومت کی اہمیت سے روشناس ہو چکے ہیں ، پاکستان کی سول سوسائٹی کئی بنیادی عوامی مسائل میں اپنی شمولیت بڑھا رہی ہے۔ بالامر حقیقت شہری حقوق، طرزِ حکمرانی نیز عوامی پالیسی کے مسائل کی جانب با معنی ترقیاتی کوشِشیں توجه کی متقاضی ہیں ۔ مزید برآں اچھی سیاست کے ذریعے اچھی طرزِ حکمرانی کی ترجیح اور اسے مضبوط کرنا

نہایت ضروری ہے۔

زیرِ نظر کتاب ایسی مطبوعات کا حصّہ ہے جو سول سوسائٹی کی جمہوریت اور ترقی کے سُہانے خواب کی تعبیر کیلئے جدوجہد میں شمولیت کے مقصد کے تحت لکھی گئی ہیں۔اِن مطبوعات کا مقصد یہ ہے کہ اہم اور نا گزیر سیاسی سماجی نیز معاشی مسائل سے متعلق عوام میں شعور اُجاگر کیا جائے۔ مزید یہ کہ خاموشی کو توڑا جائے، عوام میں بحث کو اُبھارا جائے اور مکالموں کے ایک سلسلہ کا آغاز کیا جائے تاکہ جمہوریت اور اچھی طرزِ حکومت کے مطالبے کو تقویت مِلے۔ یہ کتاب پاکستان میں دیہی غربت پرمؤثر انداز میں غوروفکر کی غرض سے زرعی اصلاحات کے تصور اور اِس کی اہمیت پر ایک نئے نقطہ نظر سے بحث کرتی ہے۔ دیہی آبادی کی زمین تک عدم رسائی غربت کی بنیادی وجہ ہے اور یہ صورتِ حا ل روز افزوں سنگین تر ہوتی جا رہی ہے جس کے لئے ریاست کافی حد تک ذمہ دار ہے۔ زیرِ نظر کتاب باوثوق ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات اور اعدادو شمار کے ذریعے ایسے عوامل کی نشاندہی کرتی ہے جو کِسانوں کی زمین تک عدم رسائی میں حائل ہیں جِن میں ایک تو جاگیردارانہ طرزِ سیاست ہے جبکہ زمین پر نا جائز اور غاصبانہ قبضہ کرنے والے بھی اِن عوامل میں شامل ہیں۔ تخفیفِ غربت کی حکمت عملی کی دستاویز (Poverty Reduction Strategy Papers) کے اندر اِس مسئلہ کی عدم

موجودگی باعث حیرانی نہیں بلکہ اِس سے غربت میں کمی کے سرکاری نکتہ نظر میں کوتاہی کے اشارے ملتے ہیں۔

پائیدار اور مؤثر ترقی کے لئے زرعی اصلاحات شرط لازم ہیں مگر ابھی تک اِس معاملے میں حکومت سنجیدہ نظر نہیں آتی۔ نتیجہ یہ کہ زرعی اصلاحات کے تصور کو یا تو قدامت پسند یا پھر بہت زیادہ انقلابی کہا جا رہا ہے۔ تاہم بین الاقوامی مالیاتی ایجنسیاں زرعی اصلاحات کی توثیق کر رہی ہیں ۔یہ اور بات ہے کہ اِن کا مقصد دیہی غربت کو موضوع بنانا نہیں ہے بلکہ زمین کو " مارکیٹ کے تابع کرنا" ان کا مطمع نظر ہے۔ اس کتاب کے مصنف مظہرحسین عارف موضوع پر ایک سنجیدہ تعارف پیش کرتے ہُوئے پاکستان میں مئوثر اور منصفانہ زرعی اصلاحات کیلئے ایک مدلّل کیس تیار کرتے ہیں۔اس اعتبار سے یہ دستاویزسول سوسائٹی کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اس مسئلے کو اپنے ایجنڈے کا حصّہ بناتے ہُوئے ٹھوس عملی قدم اٹھائے۔ جس پر کہ اوکاڑہ کے غریب مزارعین پہلے ہی سے اپنی جانیں دائو پر لگاچکے ہیں۔

میں اس منصوبہ کے لئے دی ایشیا فائونڈیشن کی معاونت کو قابل ستائش سمجھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ معاونت ایک طویل ایسوسی ایشن کا نکتہ آغاز ہو گی۔ ضیغم خان کی سربراہی میں پراجیکٹ ٹیم نے جو زبردست کام کیا ہے اِس کے لئے میں اُنہیں اور اُن کی ٹیم جن میں راجہ احسان عزیز، محمد نجیب،حانیا، اسلم، ایم

وائی خان اور مدیحہ سندھو کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میں ایس ڈی ڈی پی کے پراجیکٹ پارٹنرز کا بھی شکر گزار ہوں جن کے ساتھ ابتدائی بحثیں نہایت سُود مند ثابت ہوئیں اور موضوع سے متعلق مزید وضاحت ممکن ہوئی۔

ڈاکٹر ظفر مرزا

ایگزیکٹیو کوآرڈینٹر

دی نیٹ ورک آف کنزیومر پروٹیکشن

پیش لفظ

(اُردو ترجمہ)

ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ ،پاکستان(ایس اے پی کے)زمین اور زراعت سے وابستہ چھوٹے کاشتکار، کسان،مزدور اور خواتین کے لئے کام کر رہا ہے-ایس اے پی پاکستان جمہوری گورننس کو مضبوط بنانے کے پروگرام میں دیہی مزدور کسان مرد اور خواتین مرکزی حیثیت رکھتے ہیں-اس پروگرام میں مزدور کسان گروپ منظم کرنا،ان کو اپنے مسائل کی آگاہی دینا ہے تاکہ وہ اس قابل بن سکیں کہ وہ اپنے مسائل کو مقامی حکومت اورپالیسی ساز اداروں تک پہنچا سکیں-اِس پروگرام میں کسان بیٹھکیں بنانا بھی شامل ہے جہاں کسان اکٹھے ہو کر زمین اور زراعت سے متعلق معلومات کا تبادلہ کر سکیں اور منڈی کے رجحانات کا علم حاصل کر سکیں-

دیہی مزدوروں، کسانوں،چھوٹے کاشتکاروں اور خواتین ' جو ہمارے ملک کی اکثریتی آبادی ہیں 'کی روٹی اور روزگار زمین اور زراعت کے ساتھ جڑا ہوا ہے-جبکہ زمین اور زراعت کی صورت حال میں خرابی بڑھتی چلی جا رہی ہے-زمین بنجر ہوتی جا رہی ہے اور اسے سیم تھور اور کئی بیماریاں لگ چکی ہیں-کاشتہ رقبہ مسلسل کم ہوتا جا رہاہے-زراعت کا حصہ مجموعی قومی آمدنی میں لگاتار گھٹتا جا رہا ہے-زرعی پیداوار کے لئے اخراجات مسلسل بڑھتے

جا رہے ہیں اور آمدنی کم ہوتی جا رہی ہے-چھوٹے کاشتکار کے لئے زراعت گھاٹے کا سودا بن گئی ہے اور حکومتی سطح پر زمین اور زراعت کے لئے اصلاحات،سوائے چند نیم دلانہ کوششوں کے،نہ ہونے کے برابر ہیں-

اِس کتاب میں یہ سب سوالات اٹھائے گئے ہیں جن کا تعلق زمین اور زراعت کے ساتھ ہے-ہم اس کتاب کا اردو ترجمہ یہ سوچ کر پیش کر رہے ہیں کہ ان سولات اور اس کے ساتھ جڑی بحث کو ان اکثریتی لوگوں تک لے جایا جا سکے-ہم نیٹ ورک پبلی کیشن کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں ترجمہ کرنے کی اجازت دی-ہم اِس ترجمے میں حوالہ جات شامل نہیں کر رہے کیونکہ کوئی بھی محقق انہیں اصل کتاب سے حاصل کر سکتا ہے-مظہر حسین عارف اس لئے قابلِ تعریف ہیں کہ انہوں نے یہ کتاب بڑی تحقیق اورمحنت سے لکھی ہے-ان تمام دوستوں کا بھی شکریہ جنہوں نے اس کتاب کے لئے کسی بھی طرح کا کام کیا-

محمد تحسین

ایگزیکٹو ڈائریکٹر

ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان

خلاصه

زمین حق معاش کا بنیادی ذریعہ ہے جس سے سماجی و معاشی خوشحالی کا تصّوربھی جڑا ہوا ہے۔ پاکستان میں کل ملکی پیداوار کا تقریباً ایک چوتھائی اور کل روزگار کا 44 فیصد زراعت پرمنحصر ہے۔ جبکہ پیداوار اور برآمدات میں بھی یہی شعبہ خاطر خواہ کردار ادا کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان میں آبادی کا 67 فیصد زراعت پر انحصار کرتا ہے۔

پاکستان میں گزشتہ صدی کے ایک چوتھائی سے زیادہ عرصہ سے اراضی اور زرعی اصلاحات کا مسئلہ نظر انداز کیا گیا۔ یہاں کوئی ایسے تحقیقی ادارے نہیں جو اراضی کے مسئلہ پر خصوصی طور پر کام کررہے ہوں۔ حتیٰ کہ اعلیٰ سوچ و فکر کے حامل افراد کی طرف سے بھی اس مسئلے کو قطعی قابل توجہ نہیں سمجھا گیا۔ تخفیف غربت کی حکمت عملی کی بہت سی حالیہ دستاویزات میں بھی اِس مسئلے پر مناسب طور پر بات نہیں کی گئی۔ البتہ پی آر ایس پی کی بنیادی دستاویز میں سر سری طور پر اس کا ذکر موجود ہے وہ بھی صرف اس حد تک کہ اس میں ریاستی ملکیت میں موجود زمین کی چھوٹے کسانوں میں تقسیم کو تیز کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

پاکستان میں زرعی اصلاحات کی اب تک جتنی کوششیں کی

گئیں وہ اپنے مقصد کی حد تک غیر سنجیدہ رہیں چنانچہ بیشتر ناکام ثابت ہوئیں۔ 1972ء میں اسلام کے نام پر جن زرعی اصلاحات کا آغاز کیا گیا انہیں 1989ء میں وفاقی شرعی عدالت نے ہی غیر اسلامی قرار دے دیا۔ ان اصلاحات نے دیہی علاقوں میں تقسیم نو کے بہت کم اثرات مرتب کئے۔ جب کہ بے زمین ہاریوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی کے باوجود 1972ء کی زرعی اصلاحات کے تحت جو 39 فیصدرقبہ واپس لیا گیا تھا وہ ابھی تک ریاست کی ملکیت میں ہے۔ زرعی اصلاحات جب بھی نافذ کی گئیں تو اس سے درحقیقت دیہی غربت میں اضافہ ہوا کیونکہ بڑے زمینداروں نے خود کاشتکاری شروع کر دی جس کے لئے مشینیں اور زرعی مزدوراجرت پر رکھے گئے اور ان روایتی کسانوں کو بے دخل کر دیا گیاجو کہ عرصہ دراز سے ان زمینوں پر کاشت کاری کر رہے تھے۔ بے دخلی کے بعد ان کسانوں کا گھر بار اور روزگار کا ذریعہ چھن گیا۔ چونکہ ان کے پاس کاشت کاری کے سوا کوئی ہُنر نہ تھا چنانچہ جب اِن کِسانوں نے روزگار کی تلاش میں شہروں کا رُخ کیا تو اِنہیں کوئی روزگار نہ مِل سکا اور وہ غریب ہی رہے۔ جب کہ دوسری طرف 1972ء کے بعد مزید اصلاحات کے خوف سے بڑے بڑے زمینداروں نے سرمایہ کاری کیلئے شہروں کا رُخ کرنا شروع کردیا اور کاروبار اور صنعت سازی میں سرمایہ کاری شروع کر دی۔

پاکستان میں کل کاشت شُدہ رقبہ کا 88 فیصد سے زیادہ چھوٹے کِسان کاشت کرتے ہیں جبکہ اِن کی بمشکل گزر بسر ہوتی ہے۔ جہاں تک قرضوں پر انحصار کا تعلق ہے 01-2000ء میں زرعی ترقیاتی بنک نے 12.5 ایکڑ رقبہ رکھنے والے چھوٹے کِسانوں کو 15 بلین کے قرضے دئیے اِس کے مُقابلے میں 100 ایکڑ سے زیادہ رقبہ رکھنے والے بڑے زمینداروں کو 443.2 ملین روپے قرضہ کی صُورت میں دئیے ۔ غیر روایتی قرضوں پر کسانوں کے خاندانوں کا انحصار حالیہ برسوں میں دو گنا ہو کر 37.5 بلین روپے ہُواہے۔ اس کے علاوہ مُلک کے کُل کاشت شدہ رقبہ کا نصف سے زیادہ (23.04ہیکٹرمیں سے 14.5) سیم اور تھور سے متاثر ہو جانے کے باعث نا قابلِ کاشت ہو چُکا ہے۔ جبکہ پانی کے بے جا استعمال اور مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب وقت کے ساتھ ساتھ آبپاشی کانظام غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ نہری نظام 44 فیصد اور زیرزمین پانی 34فیصد آبپاشی کی ضرورت کو پورا کر رہا ہے جبکہ مُلک کو آبپاشی کیلئے 22 فیصد پانی کی کمی کا سامنا ہے۔

ٹیوب ویلوں کا استعمال بڑھ جانے کے نتیجے میں زیر زمین پانی کی سطح میں کمی آرہی ہے۔ دریا کا پانی اگر پُورے طور پر تصّرف میں لایا جائے تو یہ مُلک کی پانی کی صرف 14 فیصد ضرورت ہی پوری کر پاتا ہے۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں پانی کی کس قدر کمی ہے۔

زمین اور پانی کی بیان کردہ ابتر صُورت حال نیز آبپاشی کے قدیم زبوں حال نظام کے باعث زرعی پیداوار کی شرح میں کمی آئی ہے حالانکہ کاشت کاری کے لئے جدید ٹیکنالوجی سے اِستفادہ بھی کیا جا رہاہے۔ اِس صورتِ حال کی وجہ سے شہروں کی طرف نقل مکانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جائیداد کی خریدوفروخت کا شُعبہ میدان میں آ گیا ہے۔ جبکہ کاشت کاری کیلئے رقبہ میں 1972ء سے 1990ء تک بتدریج کمی ہوتی گئی اور ماسوائے بلوچستان کے پاکستان کے باقی تینوں صُوبے کاشتہ زمین کے ایک بڑے رقبے سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔صرف پنجاب میں ہی 4 ملین ایکڑ رقبہ بنجرہو چکا ہے۔ پاکستان میں زمین کا مسئلہ ہمہ جہت اور پیچیدہ ہے جو بڑے جامع اور مربوط حل کا متقاضی ہے۔

زمین سے متعلق حالیہ بحث میں بین الاقوامی مالیاتی ادارے جتنے بھی حل پیش کرتے ہیں وہ مارکیٹ سے ہی متعلق ہیں جن سے کہ دیہی غربت میں مزید اضافہ ہو گا۔ جب کہ مطلوبہ زرعی اصلاحات زمین کے تحفظ اور تحفظِ خوراک کی ضامن ہونی چاہئیں اور یہ عدالتی و قانونی نظاموں نیز زرعی اداروں سے منسلك ہوں۔نفع اندوزی کا غریب عوام کی ضروریات سے توازن برقرار رکھنا اشد ضروری ہے ۔ جہاں بڑے پیمانے کی کاشتکاری شہری مارکیٹوں کو رسد فراہم کرے جبکہ چھوٹے پیمانے کی کاشتکاری دیہی حقِ روزگار کا ذریعہ بن سکے۔ سرکاری اراضی صرف اور

صرف بے زمین ہاریوں اور چھوٹے کِسانوں میں تقسیم کی جائے۔ غیر حاضر جاگیر داروں کی نئی نسل (جن میں سِوِل، فوجی اور عدلیہ کی نوکر شاہی شامل ہے) کو پروان چڑھانے کا سلسلہ فی الفور بند کیا جانا چاہیئے۔ سرکاری اراضی اور جبری مشقت سے متعلق قوانین میں ترمیم کی جائے تا کہ مزارعین کی آزادی اور حقِ ملکیت کو یقینی بنایا جا سکے۔ چھوٹے کِسانوں پر قرضوں کے بوجھ منسوخ کئے جائیں تا کہ وہ اپنے خاندان کی کفالت کے لئے اپنی زمینوں پر کاشتکاری کے قابل ہو سکیں۔ کسانوں کی تنظیموں کو آگے لایا جائے اور اِنہیں زرعی اصلاحات کے عمل کی نگرانی اور فیصلہ سازی میں شامل کیا جائے۔ ایسا ادارہ جاتی طریقہ کار وضع کیا جائے جس سے ایک طرف تو اصلاحات کا مناسب نفاذ یقینی ہو سکے جبکہ دوسری طرف بعد از نفاذ نگرانی اور اصلاحات کے اثرات کا تجزیہ ممکن ہو سکے۔ زمین کے متعلق ادارے مئوثر طرز حکمرانی کا ایک قوی جزو نظر آنے چاہئیں۔دیہی غرباء سے متعلق ایسی تحقیق ، تجزیہ اور بنیادی اعداد و شمار اکٹھے کرنے ہوں گے جن سے غریب دوست زرعی پالیسیاں بنانے اور اِن کے نفاذ میں سہولت حاصل ہو۔ اراضی عدم مرکزیت اور غربت میں کمی کی حکمت عملیوں سے مربوط ہونی چاہئیے۔ زمین سے متعلق مسائل بالخصوص سرکاری زمین کی الاٹمنٹ سے متعلق معلومات تک رسائی کو آسان بنایا جائے۔ آخر میں یہ کہ کارپوریٹ فارمنگ کا مسئلہ بالخصوص دیہی

غربت اور حقِ روزگار پر اِسکے اثرات کا تنقیدی تجزیہ اور بحث بہت ضروری ہے۔ اِسکے ساتھ ساتھ معلومات پر مبنی رائے خاص و عام تک پہنچانا ضروری ہے تا کہ دیہی غرباء پر کارپوریٹ فارمنگ کے پڑنے والے منفی اثرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔

تعارف

بیشتر ترقی یافتہ ممالک کے دیہی علاقوں میں زمین نہ صرف روزگار پیدا کرنے کا بنیادی ذریعہ ہے بلکہ اکثر یہ مال و دولت کی سرمایہ کاری اوراسے بڑھانے نیز اِسے اگلی نسلوں کو منتقل کرنے کا ایک بُنیادی وسیلہ بھی ہے۔ زمین سیاسی ،معاشی اور معاشرتی رتبے کی علامت بھی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ لوگوں کی مجموعی شناخت بھی سمجھی جاتی ہے ۔ معاشی سرگرمیوں کی بُنیاد کی حیثیت سے یہ یا تو مُلک کے ایک لازمی اثاثے کے طور پر خدمات انجام دے سکتی ہے کہ جس سے معاشی ترقی اور سماجی برابری کا حصول ممکن ہو سکے یا پھر یہ چند ایسے ہاتھوں کا آلۂ کار بن کر رہ جائے جو کہ معیشت کی خود مختاری کو یرغمال بنا لیں اور معاشی عمل زوال پذیر ہو جائے۔ پاکستان نو آبادیاتی دور سے موخرالزکر صورتِ حال کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ حکمران طبقہ ، سول و فوجی نوکر شاہی اور طبقہ اشرافیہ اپنے مخصوص مفادات کے تحت با معنی زرعی اصلاحات اِن کے مؤثر نفاذنیز زمین کی منصفانہ تقسیم میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ گزرتے برسوں میں سماجی و معاشی نا ہمواری کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی گئی ہے۔

گزشتہ صدی کے آخری 25برسوں میں زمین اور زرعی اصلاحات اپنی تمام تر پیچیدگیوں کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہو

چُکی ہیں۔ پسماندہ طبقات میں سے کچھ مخصوص مفادات کے ساتھ جُڑ گئے یا مزید محکومی پر مجبور ہو گئے کیونکہ ریاست اور معاشرے کو جس سیاسی بُحران اور عدم استحکام کا سامنا رہا اُس نے ترجیحات کا رُخ بدل دیا اور عوامی شعُور بُری طرح سے متاثر ہُوا۔ شہروں میں متوسط طبقہ کا دانشور جن میں سے بیشتر کا تعلق مخصوص علاقائی گروہوں سے تھا 1990ء میں زرعی اصلاحات کے حق میں آواز بلند کرنے کے لئے اُٹھا۔ یہ وہ دور تھا جب اُبھرتا ہوا متوسط طبقہ سیاسی طاقت میں اپنے حصّے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ چنانچہ زرعی اصلاحات کے لئے اُٹھنے والی آواز کِسانوں کے ساتھ اظہار یک جہتی سے زیادہ جاگیرداروں کے خلاف تحریک ثابت ہوئی اور سماجی معاشی ترقی، تخفیفِ غربت، جمہوری اداروں کا استحکام اور مُعاشرے کے اندر نچلی سطح پر جمہوری قدروں کے احیاء سے زیادہ یہ تحریک مضبوط جاگیرداروں کو کمزور کرنے کا ایک سیاسی آلہ کار بن کر رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں دیہات کی تعلیم یافتہ اشرافیہ کے لئے (جو اِس وقت فیصلہ سازی کے عمل میں شامل ہے) "زمین" طاقت کے حصّول سرمایہ کاری اور سیاسی و معاشی حیثیت کو مضبوط بنانے کا ایک ذریعہ ہے جب کہ عدلیہ اور سول و فوجی نوکر شاہی (جن کا فیصلہ سازی کے عمل میں کلی کردار ہے)دیہی و شہری زمینوں پر قبضہ کر رہی ہے۔ چنانچہ زمین کی وہ حقیقی حیثیت کہ یہ خاندان

کی کفالت، سماجی اور انسانی عزت اور اِن سب سے بڑھ کر یہ ذریعہ معاش ہے اب ختم ہو چکی ہے- یہی وجہ ہے کہ زمین سے متعلق مسائل مثلاً اِسکی منصفانہ تقسیم، مزارعین کے حقوق نیز زمین کا پائیدار استعمال وغیرہ مکمل طو پر نظر انداز کر دئیے گئے ہیں- ریاستی اداروں اور حکمران طبقہ کی بے حسی ثابت کرتی ہے کہ ملک میں تین بار زرعی اصلاحات متعارف کروانے کے باوجود ایک بھی ایسا سروے یا تجزیہ نہیں کروایا گیا جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ اِن اصلاحات کا آخر نتیجہ کیا برآمد ہوا یا ان اصلاحات نے کیا اثرات مُرتب کیے -جبکہ دُوسری طرف 1992ء -1958ء کے عرصہ کے دوران انڈیا میں قومی سروے (National Sample Survey) کے 22 رائونڈ منعقد ہو چُکے ہیں- سابقہ زرعی اصلاحات کے صرف چند سماجی معاشی یا سماجی بشریاتی مطالعے یا تجزیے دستیاب ہیں جو کہ زرعی فارموں کے ٹکڑے کیے جانے سے متعلق ہیں اور اِس ضمن میں کوئی اعدادو شمار موجود نہیں-

زمین سے متعلق ہرقسم کی معلومات (بالخصوص با اثر افراد کو ریاستی زمین کی الاٹمنٹ یا زمین کی حقِ ملکیت) تک رسائی نا ممکن ہے، نہ ہی کوئی ایسی آزاد تنظیم یا عوامی تحقیقی ادارہ موجود ہے جو خاص طور پر زمین سے متعلق پالیسی کے معاملات پر کام کر رہا ہو- چنانچہ زرعی یا فنانس ڈیپارٹمنٹ کی روایتی انداز میں اکٹھی کی گئی معلومات کے حصول کے سوا کوئی چارہ نہیں

رہتا جو نا مکمل اور متروک قسم کی ہیں بلکہ اکثر ان معلومات کی صحت شُبہ سے بالا نہیں ہوتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ ریاستی اداروں کی طرف سے شائع شدہ موٹی موٹی رپورٹوں میں کس قدر سرسری انداز میں زمین کے مسائل بیان کر دئیے گئے ہیں۔ پاکستان ہیومن کنڈیشن رپورٹ جو کہ 322 صفحات پر مشتمل ہے اور جس کا ذیلی عنوان ہے "**غریب اور چھوٹے کسانوں کے لئے زمین**" (Land for Poor and Small Farmers) میں زمین کے مسائل کا احاطہ صرف پانچ لائنوں میں کیا گیا ہے:

> **" حکومت نے بے زمین ہاریوں میں زمین کی تقسیم کا کام شروع کر دیا ہے۔ صرف صوبہ سندھ ہی میں 2162 غریب کِسانوں کو 24600 ایکڑ زرعی اراضی کی حقِ ملکیت کے سرٹیفکیٹ مہیا کئے گئے ہیں۔ اِسی طرح کا بندوبست دیگر تین صوبوں میں بھی کیا گیا ہے۔"**

یوں دکھائی دیتا ہے کہ رپورٹ کے دعوئوں کے مطابق بیان کردہ معلومات کا ماخذ اخباری ذرائع ہیں اور دیگر صُوبوں میں زمین کی تقسیم سے متعلق تفصیلات بیان کرنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جب کہ یہاں ہمیں یہ یاد رکھنا ہو گا کہ معاملہ زمین کی تقسیم کے کاغذات کا نہیں ہے بلکہ زمین کی حقِ ملکیت کا عملی اطلاق ضروری ہے اِسی طرح ۔ ۔"**شماریات میں پاکستان کے**

50سال"

(50 Years of Statistics in Pakistan) کی تیسری جلد 400 صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس ضخیم کتاب میں زرعی شعبے سے متعلق معلومات تو موجود ہیں مگر زمین سے متعلق مسائل کے بارے میں کِسی قسم کے کوئی اعدادوشمار موجود نہیں ہیں۔

زرعی پیداوار میں انحطاط

2002ء -2001 کے اِقتصادی سروے کے مطابق پاکستان کی معیشت کے لئے زرعی زمین بُنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ کل قومی پیداوار کے مجموعی ماحصل کا تقریباً ایک چوتھائی اور مجموعی روزگار کا 44 فیصد زراعت پر منحصر ہے ۔ مُلکی برآمدات میں زرعی زمین کا ایک خاطر خواہ حصّہ ہے جبکہ پیداور کی غرض سے صنعتوں کو خام مواد کی فراہمی کا ذریعہ بھی زرعی زمین ہے۔ دیہات میں 67 فیصد سے زیادہ زرعی آبادی کا ذریعہ روزگار براہِ راست یا بالواسطہ زراعت ہی سے منسلك ہے۔ زراعت کو جو بھی مسائل رہے اُن کا اثر نہ صرف مُلکی پیداوار پر پڑا بلکہ آبادی کا ایک بڑا حصّہ بھی متاثر ہوا۔ تاہم زرعی پالیسی کی عدم موجودگی زراعت کے ذیلی شعبوں میں عدم دلچسپی ، زمین کی غیر منصفانہ تقسیم نیز سرکاری اراضی کی ایسے افراد میں تقسیم جن کا زراعت یا زرعی شعبے سے کوئی تعلق نہ تھا، ایسے بڑے بڑے مسائل ہیں جن

کے باعث زرعی شعبے اور دیہی آبادی کو کئی چیلنجوں کا مسلسل سامنا ہے۔ کل قومی پیداوارمیں زراعت کا حصّہ مسلسل کم ہو رہا ہے۔

زرعی شعبے کا زوال اور ذریعہ معاش کے مواقعوں کا مسلسل کم ہونے کا نتیجہ دیہی علاقوں میں غربت کی صورت میں نمودار ہوا۔ جب کہ چھوٹے کِسان قرضوں کے بڑھتے ہُوئے بوجھ کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے کہ زرعی ترقیاتی بنک کی طرف سے زرعی شعبے کو جاری کئے جانے والے قرضوں کا 88 فیصد چھوٹے کِسانوں کے ذمے واجب الادا ہے۔

زرعی زمین کا زیاں

گزشتہ کئی سالوں کے دوران زمین کا بڑے بڑے منصوبوں کی تعمیر کی شکل میں استعمال اور بڑے پیمانے پر شہر کاری کے نتیجے میں زرعی زمین کا رقبہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ اکبر زیدی کہتے ہیں کہ "پاکستان میں زرعی رقبے میں 1972ء میں ہونے والی کمی 1990ء تک انتہائی درجے تک پہنچ چکی تھی۔ ماسوائے بلوچستان کے دیگر تین صوبوں میں کاشت کاری کیلئے استعمال ہونے والی زمین مسلسل کم ہوئی ہے۔ 1972ء سے پنجاب 4ملین ایکڑ اراضی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے"۔

مُلک میں کُل کاشتہ رقبہ کا آدھے سے زیادہ سیم اور تھور سے متاثر

ہونے کی وجہ سے پیداواری مقاصد کے لئے استعمال ہونے کے قابل نہیں رہا۔ سیم اور تھور سے متاثرہ رقبہ 14.5 ملین ہیکٹر ہے جبکہ کل کاشتہ رقبہ 23.04 ملین ہیکٹر ہے۔ پاکستان میں غربت کے تجزیے پرورلڈ بنک کی رپورٹ بتاتی ہے کہ پاکستان کے زرعی علاقوں بالخصوص صُوبہ سندھ اور جنوبی پنجاب میں سیم اور تھور کے نتیجے میں زرخیزی میں نمایاں کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ زمین کو پڑے پر دینے کے باعث اِس میں نمکیات کے سدِباب کے لئے موجود درمیانے یاطویل مدّتی اقدامات شاذونادر ہی کیے گئے ہوں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاشت کئے جانے والے رقبے میں کمی اور پھر پیداوار میں کمی واقع ہونے لگی۔

پانی کی قلّت

آبپاشی کا نظام جو زراعت کیلئے زندگی کی حیثیت رکھتا ہے اور جو دیہی آبادی کے ذریعہ معاش کے لئے بُنیاد فراہم کرتا ہے ،بدترین صورتِ حال سے دوچار ہے۔ اپریل 2004ء میں لاہور میں منعقدہ 69 ویں پاکستان انجینئرنگ کانگرس کے تکنیکی سیشن میں ایک مُکالہ پڑھا گیا جس سے پتہ چلا کہ پاکستان میں پانی کی کمی انتہائی درجہ تک پہنچ چُکی ہے۔

گذشتہ 55 برسوں کے دوران پانی کی سالانہ فی کس دستیابی 5000 کیوبک میٹر سے کم ہوتی ہوئی اب 800 کیوبک میٹر تک جا پہنچی

ہے۔ مُکالہ میں مزید بتایا گیا کہ 2000ء میں پانی کی فصلوں کے لئے دستیابی میں 40ملین ایکڑ فٹ کمی آئی اور یہ کمی 2013ء تک 108 ملین ایکڑ فٹ تک ہو جائے گی۔ نتیجتاََاگلے 20 برسوں میں زرعی پیداوار مُلک کی بڑھتی ہوئی آبادی کی خوراک اور کپڑے کی ضروریات کو پورا نہیں کر پائے گی۔

مشاہدہ کیا گیا ہے کہ پانی کی فراہمی میں خاطر خواہ اضافہ کِسی بھی فوری اقدام سے ممکن نہیں۔ کیونکہ کِسی بھی سیاسی یا دیگر رکاوٹ کی عدم موجودگی کے باوجود کوئی ڈیم تعمیر نہیں کیا جا سکاہے۔ بالفاظ دیگر مستقبل قریب میں پانی کی قلت کو دُور کرنے کیلئے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔پاکستان میں نظامِ آبپاشی بہت سے بیراجوں اور نہروں پر مشتمل ہے جو کہ غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار ہیں اور مُلک کی آبپاشی کی ضروریات کو پُورا کرنے میں ناکام ہیں۔

کانگرس کے ایک اور سیشن میں ماہرین نے نظامِ آبپاشی کی خراب صورتِ حال کی وجوہات بیان کرتے ہُوئے بتایا کہ یہ نظام بتدریج زوال پزیر ہُوا کیونکہ یہ بہت فرسودہ نظام ہو چُکا تھا جس کی مناسب دیکھ بھا ل بھی نہیں کی گئی۔ پھر یہ دبائو کا شکار رہا۔ مزید یہ کہ نہروں کے کناروں کا مختلف انسانی و دیگر مقاصِد(جانوروں، گاڑیوں، ٹریفک) کیلئے استعمال بڑھتا چلا گیا۔ ماہرین کے مطابق " پاکستان میں ایسے کئی آبی ذخائر ابھی تک موجود ہیں جو 50 سے 100 سال پُرانے ہو چکے ہیں اور اپنی کار آمد عمر پوری کرنے

کے باوجود موجود ہیں ۔ اِن ذخائر کی طرف اگر فوری توجہ نہ دی گئی تو یہ اپنی خستہ حالت کے باعث کِسی سنگین نقصان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ماضی قریب میں ایسا ہو چکا ہے کہ کچھ بڑے متروک آبی ذخائر کی وجہ سے ایک بڑے رقبے کو پانی کی فراہمی میں تعطّل کا نتیجہ بڑے نقصانات کی صورت میں برآمد ہوا۔ 1996ء میں دو بڑے آبی ذخائر کی بربادی پورے نظامِ آبپاشی کی صحت سے متعلق سنجیدہ تشویش کا باعث بنی۔ یہ آبی ذخائر بلوکی سلیمانکی لنک کنال کا نکاسی آب کا ڈھانچہ اور مارگلہ راوی لنک کنال کی نگرانی کا نظام تھے جو کہ پنجاب میں واقع ہیں۔ نظام کی صلاحیت سے متعلق ماہرین کی رائے ملاحظہ ہو:

> نظام کی تعمیر کے وقت اِس کے ڈیزائن اور اسکی صلاحیتوں سے متعلق جس طرح سوچ بچار کی گئی وہ حالیہ تقاضوں کو زیادہ عرصہ تک پورا کرنے کے قابل نہیں ۔

پنجاب میں ایک اندازہ کے مطابق فصل کاشت کرنے کی سالانہ اوسط صلاحیت 122 فیصد ہے جب کہ اوسطاً ڈیزائن کردہ صلاحیت 63فیصد ہے ۔ لوئر باری دو آب کینال سسٹم کا حالیہ جائزہ بتاتا ہے کہ پاکستان میں نہریں کاشت کاری کے لئے پانی کی ضرورت کا 44 فیصد فراہم کرتی ہیں۔ جبکہ 34 فیصد پانی زیر زمین ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اِس اعتبار سے

دیکھا جائے تو ابھی بھی 22فیصد پانی کی کمی ہے اور وہ بھی ایسے علاقہ میں جہاں بہتر طریقے سے نہری نظام بنایا گیا ہے اور زیرِ زمین تازہ پانی موجود ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ 34فیصد پانی کے حصّول کا ذریعہ ٹیوب ویل ہیں جو مہنگا ترین ہے کیونکہ اِسکے لئے بجلی اور ایک خاص قسم کے تیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اگر کِسانوں کو بجلی اور تیل پر رعائیت دی جائے تو یہ ذریعہ نسبتاً سستا ہو سکے گا۔

عالمی بنک کی "پاکستان کی غربت کا جائزہ رپورٹ" اور بھی زیادہ پریشان کُن صورتِ حال پیش کرتی ہے کہ نئی سرمایہ کاری کے ذریعے آبپاشی والے علاقے کو وسعت دینے کے امکانات بالکل ہی محدود ہیں ۔ دریا کا بہائوجو سندھ کے دریائی نظام کیلئے پانی ذخیرہ کرنے کا ذریعہ ہے اگر بہترین طریقے سے استعمال میں لایا جائے تو یہ پانی کی فراہمی میں 14 فیصد اضافہ کر سکتا ہے۔ تاہم دریا کے بہائو کو پورے طور پر استعمال کرنے کے لئے کی جانے والی سرمایہ کاری کا معاشی فائدہ بہت کم ہے۔

رپورٹ مزید بتاتی ہے کہ انڈس سسٹم سے باہر پانی کے ذرائع وسیع پیمانے پر استعمال ہو چکے ہیں جس کے باعث انڈس بیسن سے باہر کسی پائیدار نظام آبپاشی کو وسعت دینے کے امکانات محدود ہو چُکے ہیں۔ دُوسری طرف ٹیوب ویلوں کے 1980ء کی دہائی سے بڑھتے ہوئے استعمال کے نتیجے میں زیرِزمین تازہ پانی کے علاقوں میں کمی

واقع ہو رہی ہے۔ یہ رُجحان پبلک یا پرائیویٹ ٹیوب ویلوں میں مزید سرمایہ کاری کے امکان کو بھی محدود کرتا ہے۔ ورلڈ بنک کی رپورٹ متنازعہ کالا باغ ڈیم اور گریٹر تھل کینال کی افادیت اور اِس کی سُود مندی بہ نسبت لاگت کو بھی چیلنج کرتی ہے۔ پانی کے وسائل اور زمین کی خراب ہوتی ہوئی صورتِ حال نیز متروک نظام آبپاشی زرعی پیداوار کی شرح میں بتدریج کمی کا لازمی نتیجہ ہیں حالانکہ گذشتہ کئی برسوں سے زرعی شعبوں کیلئے جدید ٹیکنالوجی کو بھی بروئے کار لایا جاتا رہا ہے۔

آبادی میں اضافہ

آبادی میں اضافہ ایک اور اہم عنصر ہے جس سے زمین کی طلب میں اضافہ ہوا۔ بمشکل گزر بسر کرنے والے چھوٹے ہاریوں کے درمیان زرعی زمین کا ٹکڑوں میں تقسیم کیا جانا نیز صوبہ سرحد، سندھ اور پنجاب میں روایتی طرزِ کاشت کاری کے باعث ذریعہ معاش کی صورتِ حال اس قدر سنگین ہو گئی کہ دیہی لوگ شہروں کا رُخ کرنے لگے۔ 150 ایکڑ سے زیادہ زمین کی ملکیت پر چند خاندانوں کا قبضہ ہے جو کہ زمین کی ملکیت رکھنے والے کُل خاندانوں کا 0.12 فیصد ہیں۔ یہ شرح فیصد 1972ء میں 16 فی صد تھی جو مزید کم ہو کر 2000 ء میں 9 فی صد ہو گئی۔

2000ء میں 1.1 فیصد خاندان 50 یا اِس سے زیادہ ایکڑ رقبے کے

مالک تھے ۔ جو کہ کل رقبے کا 21 فیصد شمار ہوتے تھے ۔ 4.3فیصد خاندان 25 ایکڑ یا اِس سے زائد رقبہ رکھتے تھے جو کہ پنجاب میں تمام زرعی زمین کا تقریباً 36 فیصد ہیں۔صوبہ سرحد میں کُل رقبہ کا نسبتاً بڑا حصّہ 150 ایکڑ رقبے کا مالک تھا۔ پنجاب اورصوبہ سرحد میں 1990 ء سے 2000 ء کے درمیان زمین کی تقسیم کے حوالے سے صورتِ حال میں تھوڑی سی بہتری آئی ۔ 2000 ء کے زرعی اعدادوشمار ظاہر کرتے ہیں کہ زمین کی تقسیم کے نتیجے میں کچھ نئے خاندانوں کا اضافہ ہوا ۔ یعنی کچھ نئے خاندانوں کو حقِ ملکیت دئیے گئے۔

تا ہم کِسانوں میں زمین کی تھوڑی تھوڑی تقسیم صورتِ حال میں بہتری نہ لا سکی کیونکہ یہ عمل بڑھتی ہوئی آبادی کو حقِ معاش فراہم نہ کر سکا اور بے روزگار افراد کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔ پاکستان کے لیبر فورس سروے ڈیٹا کے مطابق 1990ء کی دہائی کے وسط میں پاکستان کے دیہی علاقوں میں 13.3فیصد افراد (روزگار کمانے والے) روزگار سے متعلق بے یقینی کی صورتِ حال سے دوچار تھے ۔

زرعی شعبے میں روزگار کے مواقع میں مسلسل کمی کا پتہ دے رہا ہے ،مذکورہ بحث کا مقصد زمین اور زرعی اصلاحات کا جائزہ لینے سے قبل قدرتی ذرائع (زمین اور پانی) کی صُورتِ حال ،اِن کی اہمیت نیز دیہی و شہری آبادی کو درپیش خطرات اور چیلنجوں کو

سمجھنا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ زمین ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو تخفیفِ غربت کی حکمتِ عملی کی دستاویزات میں صحیح طور پر زیرِ بحث نہیں لایا گیا۔ البتہ حکومتِ پاکستان کی وزارتِ خزانہ کی طرف سے جاری کی گئی بنیادی دستاویز میں زمین کے مسائل کا سرسری تذکرہ تو ملتا ہے مگر اِس میں سرکاری اراضی کی چھوٹے کِسانوں میں تقسیم کو تیز کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ زرعی اصلاحات ایک پیچیدہ اور ہمہ جہتی مسئلہ ہے جس کا کہ نہایت سنجیدگی سے جائزہ لیاجانا چاہیے اور کوئی قدم اٹھانے سے قبل اِس مسئلے سے متعلق معروضی حقائق کا تجزیہ اور گہری تحقیق وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ زرعی اصلاحات کے بعض وکیلوں کی طرف سے سرسری انداز میں پیش کئے جانے والے سادہ حل تعمیری ثابت نہیں ہو سکتے۔

زرعی اصلاحات: تصور، نکتہ نظر اور ماضی کے تجربات

زرعی اصلاحات سے عام طور پر مُراد نجی ملکیت کی زمین کی انتہائی حد میں کمی لانا اور بے زمین کِسانوں میں یہ زمین تقسیم کر کے اِن کو حقِ ملکیت دینا ہے۔ نجی مالکوں سے لی جانے والی زمین بلامعاوضہ بھی ہو سکتی ہے اور اِسکا معاوضہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ زرعی اصلاحات کے تحت زمین کی از سرِ نو تقسیم کے حامیوں کا نظریہ ہے کہ معاشرے میں ہر قسم کی معاشرتی ، معاشی اور سیاسی برائیوں کا یہ ایک عالمگیر حل ہے۔ دُوسری جانب زرعی اصلاحات کے مقاصد کو منفی انداز میں پیش کرنے والوں کا مؤقف یہ ہے کہ تیسری دُنیا کے ممالک میں زرعی اصلاحات درحقیقت ایک سیاسی حکمت عملی کے طور پر اپنائی گئی تا کہ کِسانوں میں بے چینی دُور کر کے کمیونسٹوں کے لئے حکومت پر قبضہ کی راہ ہموار کی جا سکے۔اِس تناظر میں 1950ء میں شاید پہلی اور مئوثر زرعی اصلاحات امریکی بیورو کریٹ ولف لیڈ جسکی (Wolf Ladejisky) نے پیش کی۔

اِس سلسلے میں سلیم رشید ایڈمنڈ فلورس کا حوالہ دیتے ہُوئے کہتے ہیں " کاسترو اور امریکی تحریکوں نے زرعی اصلاحات کو ناگزیر بنا دیا"۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر زرعی اصلاحات کے

مقاصدمعاشرتی یا سیاسی ہوں تب غیر معاشی مقاصد کی زیادہ وضاحت سے پہچان کرنا ہو گی کیونکہ زرعی اصلاحات کی نسبت غیر معاشی مقاصد کے حصّول کے کئی براہِ راست اور مئوثر طریقے ہو سکتے ہیں مثال کے طور پر اگر کِسی جاگیر دار کا نظام عدلیہ پر بہت زیادہ دبائو یا کنٹرول ہو گا تو براہِ راست حل نظام کی خودمختاری کو تقویت دیتا ہے۔ زرعی اصلاحات مقصد کے حصّول کا شاید کم تر مگر بلواسطہ ذریعہ ہیں۔ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ چونکہ جاگیردار ناجائز سہولیات سے فائدہ اُٹھاتا ہے جب کہ زرعی اصلاحات جمہوریت کے قیام کیلئے بنیاد فراہم کرتی ہیں ۔

سلیم رشید لکھتے ہیں کہ کِسانوں کے ضمن میں زندگی کے بہت سے پہلو غیر منصفانہ طور پر جانب دار ہیں۔ مثلاً قانون تک رسائی زمین کی کاشت کاری، بجلی اور پانی پر رعائتیں ، خدمات میں توسیع اور تعلیمی سہولیات۔ یہ ایک اہم فہرست ہے جسے کڑوی سچائی بھی کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ تمام ہی تہذیبی زندگی کے لوازم ہیں لہذا اِن میں سے صرف کسی ایک کومعاشی اقدام نہیں کہا جا سکتا۔ ریاست کی اپنی ذمہ داریوں کو پُورا کرنے کے ضمن میں بے عملی کے لئے ایک معاشی اثاثہ زمین کو کیوں ذمہ دار ٹھہرایا جائے کیونکہ جو حکومت اپنی بُنیادی ذمہ داریوں کو پُورا نہیں کر سکتی ۔ اُس میں زرعی اصلاحات جیسی بھاری ذمہ داری کو قبول کرنے کی صلاحیت کیوں کر ہو سکتی ہے۔

ناکام تجربات

حکومتیں شاید نا اہل اور مقاصد سے متعلق غیر واضح تھیں کہ تیسری دُنیا کے بہت سے مُمالك میں زرعی اصلاحات کے تحت زمین کی تقسیم کوئی سماجی اور معاشی انصاف لانے میں نا کام رہی ماسوائے کوریا اور تھائی لینڈ میں جہاں اصلاحات کا نفاذ غیر مُلکی حکومت کے تحت عمل میں لایا گیا۔ عام شعور کے بر عکس انڈیا میں کئے گئے بہت سے تحقیقی تجزیے ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں عدم مساوات کم ہونے کی بجائے بڑھی ہے۔ بے زمین محنت کشوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے جب کہ 1951 ء کے مقابلے میں اِس وقت سرِ فہرست 10 فیصد اجارہ داروں کے پاس زیادہ زمینیں ہیں۔ آئین میں ایسے خلاء موجود تھے جو بھارت میں زرعی اصلاحات کے اہتمام سے گُریز میں

مدد گار ثابت ہوئے۔ مثال کے طور پر صُورتِ حال بدستور برقرار رکھنے والوں کی طرف سے زمین کی حقِ ملکیت کی حد بندی اِس کے ساتھ ساتھ زرعی اصلاحات کے ایجنڈے میں سیاسی مداخلت اور بیوروکریسی کی سطح پر نفاذ میں سست روی دو ایسے محرک تھے جو بھارت میں زرعی اصلاحات کی راہ میں رکاوٹوں کا باعث بنے۔ لہذا اونچے اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے کاشتکاروں کو اونچا سماجی رتبہ حاصل ہوا زرعی پیداوار میں اضافہ سے زمین

کی قدروقیمت بڑھی اور زرعی آمدنی میں کئی گُنا اضافہ ہوااور اِن سب کے نتیجے میں اونچے سماجی رتبے کے حامل کاشتکاروں کی معاشی حیثیت و قوت بھی بڑھی۔ تب سے یہ طبقہ اپنے معاشی یا سماجی رتبے میں کسی بھی کمی کا روا دار نہ ہُوا۔ ٹموتھی بیسلے (Timothy Besley) اور رابن برگس (Robin Burgess) کے خیال میں بھارت میں غربت میں کمی زرعی اصلاحات سے مربوط ہے۔ جس کے لئے ابتدائی طور پر آئین موجود ہے جس نے مصالحانہ کاروائیوں کو منسوخ کرتے ہوئے مزارعت سے متعلق نئے اصُول و ضوابط وضع کیے ،بھارت کے تناظر میں زمین کی تقسیم کا کردار بجائے خود محدود اہمیت کا حامل دِکھائی دیتا ہے۔ وہ مزید یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ غربت کی بنیادی وجہ اصلاحات ہیں جو کہ زمین کی تقسیم میں تغیّر پزیری کی نسبت پیداواری تعلقات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

ورلڈ بنک کے تعاون سے کی جانے والی ایک اور سٹڈی کے مطابق ریاست کی طرف سے شروع کی گئی زرعی اصلاحات کے متعلق روایتی طور پر یہ یقین کیا ہے کہ وہ بھارت میں غریبوں کو زمین فراہم کرنے میں ناکام رہی ہیں (حالا نکہ مغربی بنگال کی صُورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے) اِس سٹڈی سے ظاہر ہوتا ہے کہ زرعی اصلاحات کا نفاذ کمزور، غیر تعمیری اور معدوم رہا ہے جس کے نتیجے میں مزارعین بے دخل کیے گئے ۔ اُنہیں ایک جا گیر دار کی

زمین سے دوسری اور پھر تیسری زمین پر منتقل کیا جاتا رہا اور یہ سلسلہ جاری رہا تا کہ وہ اپنے مالکانہ حقوق حاصل نہ کر پائیں۔

علاوہ ازیں مزارعین کی کِسی زمین پر کام کرنے کی مدّت غیر یقینی صُورتِ حال سے دوچار رہی۔ 1992ء سے حقِ ملکیت دئیے گئے اور کل کاشت شدہ رقبہ کے 4فیصد حصّہ زمین کو تحفظ فراہم کیا گیا زیادہ تر آسام، گجرات، ہما چل پردیش، کرناٹکا، کیرالہ ،مہاراشٹر اور مغربی بنگال میں یہ اصلاحات نافذ کی گئیں لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ مزارعین کے کام کی مدت کے تحفظ اور غربت میں کمی کے لئے کی گئیں زرعی اصلاحات نا کام رہیں بلکہ اِن اصلاحات کے مقاصد بڑے واضح ہیں۔ اِن کے کامیاب نفاذ کیلئے مطلوبہ ادارہ جاتی صورتِ حال کی طرف قابلِ لحاظ توجہ دی گئی ہے اور طاقت کا توازن احسن طریقے سے غریبوں کے حق میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

پاکستان کا تجربہ

اکبر زیدی کے مطابق زرعی اصلاحات سے متعلق پاکستان کی ایک طویل اور متنوع تاریخ ہے۔ بیشتر کوششیں کِسی سنجیدہ مقصد کے بغیر کی گئیں جن میں سے زیادہ تر ناکام رہیں۔ 1972 ء کے زرعی اصلاحات کے ضابطے میں اصلاحات کے مقاصد یوں بیان کئے گئے ہیں

"

چونکہ اسلام میں دولت اور معاشی طاقت کی منصفانہ تقسیم پر زور دیا گیا ہے اور چند ہاتھوں میں اِن کے ارتکاز کی اسلام میں ممانعت ہے - اور چونکہ یہ قوم کے عظیم تر مفاد میں ہے کہ زراعت کو ایک منعفت بخش پیشہ بنا کر کِسانوں کی معاشی صورتِ حال کو بہتر کیا جائے اِسی لئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یہ ضابطہ وضع کر رہے ہیں-"

مذکورہ پیراگراف میں جس طرح سے لفاظی کی گئی ہے وہ پُر فریب ہے جس میں کِسان کی معاشی حالت میں بہتری لانے کو عظیم تر قومی مفاد سے جوڑا گیا ہے اب سوا ل یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی ایسا عظیم تر قومی مفاد کے لئے کیا گیا تھایا پھر کِسانوں کی سربراہی میں کِسی سوشلِسٹ انقلاب کے خوف کا سدِ باب کیا گیا تھا کیونکہ دیہی عوام کی معاشی حالت کو بہتربنانے کے ضمن میں بظاہر-"کامیاب حکومتیں "نا کام ہو چُکی تھیں-

1972ء کی زرعی اصلاحات اسلام کے نام پر متعارف کروائی گئی تھیں کیونکہ اسلامی احکامات دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کی ممانعت کرتے ہیں- تاہم 1989 ء میں وفاقی شرعی عدالت نے اِن اصلاحات کو غیر اسلامی قرار دے دیا جو کہ اِس

بات کا ثبوت تھا کہ بظاہر کامیاب حکومتیں اور ریاستی ادارے زرعی اصلاحات سے متعلق غیر واضح ہیں گو کہ اِن اصلاحات سے جاگیردار کسی حد تک متاثر بھی ہوئے اور دیہی علاقوں میں زمین کی ازسرِ نو تقسیم کے کچھ اثرات دیکھنے کو بھی مِلے۔

1972 ء کی زرعی اصلاحات کے نفاذ سے متعلق اکبر زیدی رائے زنی کرتے ہیں۔ 1959 ء کے مقابلے میں واپس لی گئی زمین بہت کم تھی اور 78-1972ء کے عرصہ کے دوران 308,390 ایکڑ اراضی کی ازسرنو تقسیم ہوئی جس سے 50,548 افراد کو فائدہ پہنچا۔ یوں اِن اقدامات کے نتیجے میں صرف ایک فیصد بے زمین ہاریوں اور چھوٹے مالکان کو فائدہ ہوا۔ 1959 ء میں جتنی زمین واپس لی گئی تھی 38 برس گزر جانے کے باوجود بھی ابھی اِس کا 6 فیصد حصّہ قابل تقسیم ہے جبکہ 1972 ء کی اصلاحات کے نتیجے میں جو 39 فیصد رقبہ واپس لیا گیا تھا وہ ابھی تک حکومت کے زیرِ قبضہ ہے جب کہ بے زمین ہاریوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

گوشوارہ نمبر **1 :** جون **1994** ء تک کی گئیں زرعی اصلاحات کے نفاذ کی حقیقی صورتِ حال

(اعداد و شمار ہیکٹر میں دئیے گئے ہیں)

صوبہ	رقبہ جو واپس لیا گیا	رقبہ جو تقسیم کیا گیا	توازن	کتنے افراد مستفید ہوئے
1959 ء کی اصلاحات				
پنجاب	511,244	505,082	6,162	109,889
سندھ	346,307	300,091	46,216	46,131
سرحد	112,108	97,287	14,821	24,314
بلوچستان	53,268	53,196	72	6,221
کل	**1,022,927**	**955,656**	**67,271**	**186,555**
1972 ء کی اصلاحات				
پنجاب	121,593	94,583	27,010	36,017
سندھ	112,920	72,477	40,442	17,167
سرحد	57,415	55,122	2,293	12,811
بلوچستان	189,316	73,755	115,562	5,506
کل	**481,244**	**295,937**	**185,307**	**71,501**

ماخذ: حکومت پاکستان ، زرعی اعدادوشمار **1993-94** صفحہ**45** ،
پاکستان الیکشن کمیشن کا ڈیٹا

پاکستان میں زرعی اصلاحات کے اثرات

پاکستان میں زرعی اصلاحات کے نفاذ کے نتیجے میں معاشی نا ہمواری میں تو کیا کمی ہوئی البتہ دیہی علاقوں میں غربت اور عدم مساوات میں اضافہ ضرور ہوا۔ بڑی بڑی زمینوں کے مالکان نے از خود کاشت کاری شروع کر دی مزارعین کو بے دخل کر دیا گیا اور وہ مکمل طور پر تہی دست اور انتہائی غربت و کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

1972 ء اور 2000ء کے درمیان زمین کے نقشوں میں تبدیلی سے پتہ چلتا ہے کہ مزارعت میں کِس طرح ڈرامائی زوال رونما ہوا اور مالکان کی طرف سے ازخود کاشت کاری کے رجحان میں بتدریج اضافہ ہوا۔پنجاب میں 1972ء تک بے زمین ہاری 26 فیصد زمین کا انتظام سنبھالا کرتے تھے جو 2000 ء تک کم ہو کر 11 فیصد رہ گیا۔بڑی بڑی زمینوں کے بڑے بڑے مالکان کی طرف سے ازخود کاشتکاری میں 1972ء میں 39 فیصد اضافہ ہوا اوریہ اضافہ 2000 ء میں 69 فیصد تک جا پہنچا تھا۔ اِس رُجحان کا لازمی نتیجہ مزارعین کی بے دخلی کی صُورت میں برآمد ہوا۔

صوبہ سرحد میں 1972 ء میں مالکان کے زیرِ انتظام رقبہ صرف 38 فیصد تھا جو کہ 2000 ء میں 76 فیصد تک جا پہنچا۔ چونکہ نہ تو اصلاحات کے بعد نگرانی اور تجزیے کا کوئی طریقہ کار وضع کیا

گیا ماسوائے فیڈرل لینڈ کمیشن کی تشکیل کے جس کے پاس تنازعات نپٹانے کا آئینی اختیار تھا اور نہ ہی اصلاحات کے اثرات سے متعلق اعدادوشمارا کٹھا کرنے کے لئے قومی سروے کئے گئے ۔ چنانچہ سماجی و معاشی طبقوں میں تبدیلیوں کی حد یا اصلاحات سے متاثر ہونے والے خاندانوں کی صحیح تعداد کا جانچنا ممکن نہیں ہو سکا۔ تا ہم دیہی معاشرے میں ہونے والی تیزی سے ترقی کے مشاہدے کی بُنیاد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں:

زمیندار بطور زرعی صنعت کار

1972ء کی زرعی اصلاحات کے نتیجے میں جاگیرداروں میں بے چینی پھیلی اور وہ ایسے اقدامات کرنے پر مجبور ہوئے جن کے نتیجے میں زمینوں سے مزارعین کا جبری انخلاء شروع کر دیا گیا اور از خود زمینیں کاشت کرنے کے لئے اُنہوں نے کھیت مزدوروں کی اُجرت پر خدمات حاصل کر لیں۔ بہت سے زمینداروں نے اپنی زائد زمین فروخت کر دی کیونکہ اُنہیں خوف تھا کہ ہماری زمین زرعی اصلاحات کی نذر نہ ہو جائے جس کے نتیجے میں اُنہیں زمینوں سے محروم ہونا پڑے گا۔ کئی زمینداروں نے اپنی زمینیں فروخت کر کے شہروں میں سرمایہ کاری اور کاروبار کر لئے یا صنعتیں لگا لیں۔ شمالی پنجاب اوراندرونِ سندھ میں کئی زمینداروں نے اپنی زمینوں پر

باغات اُگالئے یا زرعی ٹیکنالوجی میں مزید سرمایہ کاری کر لی۔ زیادہ پیداوار دینے والے بیجوں کھادوں اور کِرم کش ادویات کا استعمال بڑھا لیا۔اِس طریقے سے اُنھوں نے اپنی زمینوں کا سائز کم کر لیا لیکن اُن کی آمدنی میں کئی گُنا اضافہ ہوا جبکہ کسان مفلوک الحال ہو گئے۔

دُوسری طرف پنجاب اورصوبہ سرحد کے ہاریوں کی ایک بڑی تعداد کو جب اُن زمینوں سے جبری نکالا گیا جہاں پر وہ کئی عشروں سے کاشت کاری کر رہے تھے تو اُنھیں تقریباً ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اُن کا گھر بار ملازمت مال مویشی حتیٰ کہ سماجی سہارے (رشتے دار) تک اُن سے چھن گئے کیونکہ اُنھیں علاقہ بدر بھی ہونا پڑا۔ ایسی صُورت میں جب کہ وہ ہر طرح سے بے آسرا اوربے سروسامانی کی حالت میں تھے ایسی کوئی مہارت یا ہُنر بھی نہیں جانتے تھے کہ شہروں میں اُنھیں روزگار کے مواقع مُیسر آتے۔ وہ انتہائی کسمپُرسی کے حالات سے دو چار تھے۔ اِن میں بوڑھے ، درمیانی عمر کے اور نوجوان عورتیں اور مرد کسان شامل تھے۔ ہاریوں کی جِس تھوڑی سی تعداد کو جاگیر داروں نے ملازمت پر رکھا وہ حقوق مزارعت سے محروم تھے۔

گوشوارہ نمبر 2 1990 ء کی معیاد کے دوران نجی فارموں کا رقبہ اور تعداد

معیاد	فارموں کی تعداد	شرح فیصد	فارم کا رقبہ (ہیکٹر)	فیصد
پاکستان				
خود کاشت کرنے والے مالکان	3490988	%69	12433589	%65
چھوٹے کاشت کار	626465	%12	3634753	%19
مزارع	953557	%19	3081276	%16
پنجاب				
خود کاشت کرنے والے مالکان	2054184	%69	6740734	%62
چھوٹے کاشت کار	463867	%16	2672762	%24
مزارع	439350	%15	1556676	%14
سندھ				
خود کاشت کرنے والے مالکان	405804	%50	2063265	%59
چھوٹے کاشت کار	61253	%8	420792	%12
مزارع	334918	%42	997921	%29
سرحد				
خود کاشت کرنے والے مالکان	834965	%78	1720324	%73
چھوٹے کاشت کار	89407	%8	364877	%15
مزارع	144467	%14	273245	%12
بلوچستان				

خود کاشت کرنے والے مالکان	196044	%81	1909275	%12
چھوٹے کاشت کار	11929	%5	176322	%7
مزارع	34822	%14	253434	%11

ماخذ: حکومت پاکستان، وزارت خوراک و زراعت **1990**

یہ لوگ زمینیں کاشت کرتے تھے مگر ریونیو ریکارڈ میں اِن کا بحیثیت کاشت کار اندراج نہیں تھا اِس کی بجائے جاگیرداروں کو ریونیو ریکارڈ میں کاشت کار دکھایا گیا تھا۔ پاکستان میں اِس وقت زمینوں پر 19 فیصد ہاری کام کر رہے ہیں جو معاشی طور پرمستحکم ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اِن میں سے بیشتر ہاری سندھ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اُبھرتا ہُوادیہی درمیانہ طبقہ

گزشتہ تین عشروں کے دوران پاکستان کے دیہی علاقوں میں ایک مضبوط متوسط طبقہ اُبھر کر سامنے آیا۔ جِسے اُبھارنے میں کئی عوامل کارفرما تھے مثلاً زراعت کے شعبے میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال، پھلوں کے باغات کی شجرکاری، شہروں کو وسعت دینے کے نتیجے میں زمین کی قدروقیمت میں اضافہ، سڑکوں اور بُنیادی ڈھانچوں کی تعمیر نیز بڑے سائز کی زمینوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کا عمل وغیرہ۔ یہ متوسط طبقہ پڑھا لکھا تھا جس کے سول اور فوجی بیورو کریسی سے رابطے تھے۔ جن کی وجہ

سے یہ طبقہ شہروں کے مراکز میں پبلک اور پرائیویٹ شعبوں کے اندر بڑے عہدوں پر ملازمت بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اِس طبقہ کو دو درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1- ایک وہ لوگ جو اندرونِ سندھ اور پنجاب میں چولستان کے ایسے ترقیاتی علاقوں میں آ بسے تھے جو حال ہی میں آباد کیے گئے تھے۔

2- دوم وہ طبقہ جنہیں مقامی درمیانے درجے کے زمیندار کہا جاتا تھا اور جنہوں نے اپنی زمینوں کو ترقی دے کر سماجی اور معاشرتی طور پر اپنا ایک مقام بنا لیا تھا۔

ربط و تعلق کی وجہ سے اوّل الذکر طبقہ زیادہ تر انتظامیہ کے نزدیک تھا۔ تاہم دونوں کو ایک چیلنج درپیش تھا اور وہ تھا پرانے جاگیر دار گھرانوں کا سیاست پر تسلط۔ جنوبی پنجاب کے اندر بہاولپور اور بہاولنگر میں چیمے (Cheemas) اور رحیم یار خان میں وڑائچ (یہ آباد کارہیں)مضبوط سیاسی اثرورسوخ والے لالیکا اور مخدوموں کے خلاف انتخابات جیت چکے ہیں۔ ملتان میں قریشیوں اور گیلانیوں کو قبائلیوں کی طرف سے چیلنج درپیش رہے۔ دوسری طرف جھنگ میں متوسط طبقہ (دیہی اور شہری) فرقہ وارانہ رُجحان کے زیرِ اثر رہااِن علاقوں میں سیاسی مداخلت کے باعث زرعی اصلاحات کے تحت زمینوں کی تقسیم کاعمل کسانوں کی اکثریت کو خوشحالی سے

ہمکنار نہ کر سکابلکہ ان کی اکثریت بے گھر ،بے آسرا اور بے روزگار ہو کر رہ گئی ۔ نہ ہی یہ اصلاحات جاگیردارانہ نظام کو کمزور کر سکیں جو کہ ابھی تک مضبوط ہیں اورمقامی سیاست میں اہم بنیادی حصّہ دارہیں۔ علاوہ ازیں یہ اصلاحات قومی پیداوار میں اضافہ کے ضمن میں کوئی نمایاں کردار بھی ادا نہ کر سکیں۔

کسانوں کی حالتِ زار

یہاں "کسان" کے تصور کی وضاحت ضروری ہے۔ اِس سے مُراد ایسا شخص ہے جو اپنی گزر بسر کے لئے زراعت پر انحصار کرتا ہے اور اِس کے لئے اُسے شدید مُشقت کرنا پڑتی ہو اور وہ کھیتی باڑی کے لئے جدید ٹیکنالوجی استعمال نہ کرتا رہا ہو بلکہ زیادہ تر روایتی طریقہ کاشت کاری اختیار کیے ہُوئے ہو۔ اِسی تعریف میں چھوٹے کِسان، جاگیرداروں کے مزارعے، ہاری اور زرعی مزدور اور کھیتوں میں جبری مشقت کرنے والے بھی شامل ہیں۔

علم البشر کے مطابق اِس تعریف کا اطلاق زیادہ تر اُن دیہی لوک ثقافتوں پر ہوتا ہے، جن کے رسم و رواج تاریخ اور شاید زبان بھی ریاست کے غالب کلچر سے مُختلف ہو۔ قبائلی معاشروں کے برعکس (جو کہ نسبتاً الگ تھلگ اور اپنی خود مُختار علاقائی حدود کے اندر رہتے ہیں) کِسان کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ و دیہی و شہری تسلسل کے اندر رہتا ہے اور اِن کی پیداوار کا زائد از ضرورت

حصہ غالب طبقہ کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پاکستان میں ہاری زیادہ تر چھوٹے کِسان ہوتے ہیں جن میں نجی اور سرکاری زمینوں پر کام کرنے والے ہاری اور کھیت مزدور شامل ہیں۔ کِسان سماجی او ر تہذیبی اعتبار سے اپنے ہاں کے جاگیر دار طبقہ سے مختلف ہوتے ہیں جو کہ دیہی لوک زبانوں کی بجائے انگریزی یا اُردو زبان بولنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ شاید زبان ایک وجہ ہے جِس کے باعث دیہی آبادی کی اکثریت پر مشتمل کِسانوں کو نہ صرف حکمران طبقہ اور پالیسی ساز بلکہ سماجی سائنسدان، مفکروعالم اور تحقیق کار بھی نظر انداز کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ کِسانوں ، اُن کے حقوق، کِسانوں کے حقوق کی تحریکوں اور حقوق کے لئے کِسانوں کی جدوجہد سے متعلق بہت کم تحریری مواد دستیاب ہے۔ اوکاڑہ ملٹری فارم کے مزارعوں، پنجاب سیڈ فارمز (ضلع خانیوال) فارسٹ پیپل آف دیر کوہستان صوبہ سرحدچشمہ رائٹ بنک کنال (تونسہ) کے متاثرین اور چوٹیاری واٹر ریزوئیر کی طرف سے تحریکیں چلائی گئی تھیں۔ لیکن حکومت اور ریاستی ادارے بشمول عدلیہ اور پالیسی بنانے والے اِن تحریکوں اور کِسانوں کے مسائل کو توجہ طلب نہیں سمجھتے رہے۔ کِسان حکومتوں کی بے حسی اور عدم مساوات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اِس سلسلے میں تونسہ کے ایک کِسان کا کہنا ہے کہ حکومت ہمیں کُند چاقو سے ذبح کرتی ہے

اور ہمیں مرنے بھی نہیں دیتی۔

اِس سلسلے میں ظفر صمدانی ایک کہانی بیان کرتے ہیں۔

"چند برس قبل میں ملتان کے علاقے کا سفر کر رہا تھا۔ اُن دِنوں کپاس کی چنائی کا موسم تھا۔ اور یہ موسم کِسانوں کے لئے بہت بُرا ثابت ہُوا تھا۔ کیونکہ کپاس کی قیمتیں بہت گِر گئیں تھیں او ر خریدار کاشت کاروں کو لُوٹنے کا ارادہ کیے ہُوئے تھے۔ مجھے کِسان بہت غریب دکھائی دیئے حتیٰ کہ وہ چھوٹے کِسان بھی جن کی اپنی زمین تھی۔ یہاں مجھے کِسانوں کے گروپوں کے ساتھ دو طرفہ بات چیت کا موقع مِلا۔ گروپ کے ہر رُکن نے اپنے نا خوشگوار تجربات بیان کئے۔ اِن میں سے ایک درمیانی عُمر کا کِسان جو کہ پھٹے ہوئے کپڑوں میں تھا ساری بحث کو سمیٹتے ہُوئے بتانے لگا کہ میں ہر سال کپاس کاشت کرتا ہوں لیکن گزشتہ کئی سالوں سے میں ایک نیا کپڑوں کا جوڑا تک نہیں خرید سکا۔ یہی حقیقت بہت سے دوسرے کِسانوں اور اُن کے کنبوں کا مقدر ہے۔ کپاس اُگانے والے نئے کپڑے خریدنے کی سکت نہیں رکھتے اور

جو گندم پیدا کرتے ہیں اگر اپنے کنبے کا پیٹ پالنے
کی غرض سے فصل کا کچھ حصّہ بچا نہیں پائیں
گے تو وہ بھوکے رہیں گے۔"

ناقابلِ گزر اوقات کھیتی باڑی

1990ء میں زرعی فارموں کا 12.5 ایکڑ کے برابر یا اِس سے کم کل کاشت رقبے کا 80.6 فیصد شمار کیا جاتا تھا جبکہ 99-1998 ء میں یہ بڑھ کر 88.2 فیصد ہو گیا۔ 5 ایکڑ سے کم رقبے کے فارموں کی تعداد میں اضافہ کل رقبہ کا 47 فیصد سے بڑھ کر 51 فیصد ہو گیا۔ کمال صدیقی 12.5 ایکڑ کی زیر ملکیت اراضی کو گذر اوقات کیلئے نا کافی قرار دیتے ہیں اُن کے خیال میں گزر اوقات کیلئے 12.5 تا 20 ایکڑ حقِ ملکیت زرعی اراضی ہونی چاہیے۔ گذر اوقات کے لیے کی جانے والی کھیتی باڑی کی وضاحت اِس طرح بھی کی جاتی ہے کہ ایسی کھیتی باڑی جو کِسان اور اُس کے کنبے کی غذائی کفالت کرے مگر پیداوار اتنی نہ ہو کہ بیچی جا سکے۔ یہ کھیتی باڑی معاشی کھیتی باڑی کے بالکل برعکس ہے جو کہ نفع بخش ہوتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ پاکستان میں کل کاشت رقبے کا 88 فیصد کاشت کرنے والے کِسان گذر اوقات کی کھیتی باڑی سے نیچے کی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ کِسان صرف کھیتی باڑی پر ہی انحصار

کئے ہوئے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ وہ اپنے کنبوں کا پیٹ ہی بمشکل پال رہے ہیں۔ یہ صورتِ حال پاکستان کے دیہات میں بڑھتی ہوئی غربت ، چھوٹے کِسانوں پر قرضوں کے شدید بوجھ اور قصبوں او ر شہروں میں آبادی کے دبائو کو ظاہر کرتی ہے ۔ مذکورہ بالا صورتِ حال یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ زمینی ذرائع میں کمی واقع ہو رہی ہے ۔ پانی کی کمی شدید بُحران سے دو چار ہے، بجلی پانی کھاد اور کاشت کاری کے مطلوبہ دیگر ذرائع اس قدر مہنگے ہیں کہ کِسانوں کو روایتی و غیر روایتی دونوں قسم کے قرضوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

گوشوارہ نمبر3: درجہ وار ارضی ملکیت (آب پاش زمین)

گذر اوقات سے نیچے	12.5ایکڑ
گذر اوقات والی	25- 12.5ایکڑ
گذر اوقات سے اُوپر مگر کفایت سے نیچے	25-50 ایکڑ
افادیت/ کفایتی	50-64 ایکڑ
کفایت سے زیادہ	64 ایکڑ سے زیادہ

ماخذ: کمال صدیقی

دیہی قرض داری

2000-01 ء میں 12.5 ایکڑ اراضی کے مالک چھوٹے کِسانوں نے زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان سے 5بلین روپے سے زائد کے قرض لئے جبکہ اِسی عرصہ کے دوران بڑے زمینداروں (جن کے پاس 100 ایکڑیا زیادہ رقبہ تھا) نے بنک سے صرف 443.2 ملین حاصل کئے۔ خشک سالی کے عرصہ(97-1996ء)سے قبل چھوٹے کِسانوں کو دئیے جانے والا قرضہ 4 بلین روپے تھا جو کہ 98-1997 ء میں دگنا ہو کر 8.5 بلین روپے تک پہنچ گیا جبکہ اِس برس سے اگلے 99-1998 ء میں اِس میں مزیداضافہ ہو گیا اور یہ تین گُنا سے بڑھ کر 14 بلین روپے ہو گیا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چھوٹا کِسان خشک سالی سے کس قدر متاثر ہوا تھا۔ ذیل میں گوشوارہ چھوٹے کِسانوں کو دئیے جانے والے قرضے میں 1300 فیصد اضافہ کو ظاہر کررہا ہے۔ جبکہ 16 برسوں کے دوران رقم میں 1600 فیصد اضافہ ہوا۔

گوشوارہ نمبر4: زرعی ترقیاتی بنک کی طرف سے دیا جانے والا قرض (اراضی ملکیت کے سائز کے حساب سے اور ہزار کی گنتی میں)

سال	12.5ایکڑ تک		12.5تا50ایکڑ سے زیادہ		50تا100ایکڑ سے زیادہ		100ایکڑ سے زیادہ	
پاکستان	تعداد	رقم	تعداد	رقم	تعداد	رقم	تعداد	رقم
1983-84	22064	720383	36602	1680965	7860	3855228	1678	107310
1990-91	51090	3136873	32313	3062992	6417	844652	2836	533857
1994-95	98784	4352401	60952	6076120	7253	899786	2687	372572
1996-97	70793	4090537	43357	5393979	5000	808562	1768	336757

1997-98	210031	8539070	89650	92148427	13791	1882422	1857	302279
1998-99	295414	14229188	113706	14106	1927764	7101	954940	954940
2000-01	296912	15062941	95142	10175	1342761	3567	443278	443278

ماخذ: پاکستان کے زرعی اعدادوشمار، 2000-2001

چھوٹے کِسانوں کا غیر روایتی قرضوں پر بڑا انحصار اور وہ بھی انتہائی سخت شرائط پر زراعت کے لئے تباہی ہے۔ توقع تھی کہ معاشی اداروں کی ترقی سے روایتی قرضوں کے نتیجے میں یہ انحصاری کم ہو گی۔ تاہم کچھ کمی کے بعد اِس انحصاری میں دوبارہ اضافہ ہو گیا۔ پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈیویلپمنٹ اکنامکس (PIDE) کی ایک سٹڈی کے مطابق غیر ادارہ جاتی قرض کا حصّہ جو 1973ء میں 90 فیصد سے کم ہو کر 1985 ء میں 41 فیصد ہو گیا تھا، 1990 ء میں بڑھ کر 76 فیصد اور 1996 ء میں 78 فیصد ہو گیا۔ سٹڈی بتاتی ہے کہ زمینداروں اور زرعی مشینری سپلائی کرنے والوں سے لیا گیا غیر روایتی قرض 36 فیصد تھا جس کے ساتھ دوکانداروں سے 16 فیصد کمشن ایجنٹ سے 12 فیصد، اشیاء زراعت کے ڈیلروں سے 11 فیصد، قرض دینے والے پیشہ وروں سے 3 فیصد اور پراسیسنگ یونٹوں سے 2 فیصد قرض لیا گیا۔ 11 فیصد قرضہ متفرقات میں شامل تھا۔ غیر ادارہ جاتی ذرائع سے حاصل کرنے والے تمام گھرانوں کے قرض میں اضافہ ہوا جو 27.9بلین روپے سے بڑھ کر 54.6 بلین ہو گیا۔ جبکہ زراعت پر انحصار کرنے والے گھرانوں کا قرض دُگنا ہو گیا جو 17.5 بلین سے بڑھ

کر 37.5 بلین ہو گیا۔ یعنی کل قرض داری کی شرح 61 سے 68 فیصد تک ہو گئی ۔ کراچی کی ایک این جی او برسٹ (Basic Urban-Rural Services & Training) نے سندھ کے 15 دیہاتوں میں ایک سروے کا انتظام کیا۔ جس کے مطابق میر پور خاص کے ایک گائوں میں جس کی آبادی 1400 نفوس پر مشتمل ہے اور اوسط 1-5 ایکڑ ارضی ملکیت ہے، میں فی کس کسان 0.6 تا 1 ملین روپے قرض کے بوجھ تلے ہے۔ ٹھٹھه کے گائوں کی آبادی 2500ہے اور اوسطاً اراضی ملکیت 4 ایکڑ ہے جبکه فی کس کِسان قرضه کی شرح 0.4 ملین روپے کے درمیان ہے۔ سانگھڑ کا ایک گائوں 900 افراد پر مشتمل ہے یہاں اوسطً اراضی ملکیت 12 ایکڑ ہے جبکه فی کسان قرضه کی شرح 0.4 تا 0.6 ملین روپے ہے چونکه یه کسان قرضه واپس کرنے کے قابل نہیں تھے لہذا اُنہیں اپنی زمینیں فروخت کرنا پڑیں۔ یه سٹڈی ظاہر کرتی ہے که میر پور خاص ، ٹھٹھه اور سانگھڑ کے دیہاتوں میں کِسانوں نے بالترتیب 100,300 اور 300ایکڑ زمین فروخت کی، اِس سٹڈی کے مطابق یہاں ایک کِسان کے سالانه گھریلو اخراجات 8936 روپے ہیں یعنی وه جسم و جان کا رشته برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جبکه کھیتی باڑی سے حاصل ہونے والی آمدنی 3673 ہے۔ یه آمدنی بنیادی غذائی ضروریات کی کم سے کم سطح کو بھی نہیں چُھو پا رہی ۔ تو پھر دیگر ضروریاتِ زندگی یعنی صحت اور تعلیم کا تو ذکر ہی کیا!

سرکاری زمین کی غیر منصفانہ تقسیم

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی، بے محابہ ترقیاتی سرگرمیاں اور اس کے نتیجے میں ماحولیات پر پڑنے والے تباہ کُن اثرات کے نتیجے میں زمینی وسائل کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ اور اِس صُورتِ حال میں زراعت دم توڑتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ دریں اثناء لاکھوں ایکڑ سرکاری اراضی (اِس تناظر میں ریاست سب سے بڑی جاگیردار ہے) حکمران طبقے میں تقسیم کوئی نئی بات نہیں۔ نو آبادیاتی نظام کے دوران بھی برطانوی فوج کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وسطی پنجاب میں قائم کالونیوں کی زمین الاٹ کی گئی تھی۔ شاہی ضروریات میں گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں کی افزائش شامل تھی نیز جب سائوتھ افریقن جنگ میں برطانیہ کو شامل ہونا پڑا تو چھائونیوں کو دودھ اور مکھن فراہم کرنا بھی شاہی ضرورت میں شامل تھا۔

جوہر حسین اپنی ایک سٹڈی میں بتاتے ہیں کہ " بالائی باری دوآبہ کی زمین وفادار جاگیرداروں‌اور فوج سے ریٹائرڈ ہونے والے کچھ افسروں کو پنشن کی سہولت کے عوض دی گئی ،یہ پہلی جنگ عظیم کی بات ہے تب سے حکومت پاکستان نے اِس روایت کو برقرار رکھا۔"

زراعت کے شعبے میں فوج کا عمل دخل

دُوسرے پانچ سالہ منصُوبے (1960-65) سے ظاہر ہوتا تھا کہ فوج سے معاشرے کی ترقی میں اہم کردار کی توقع کی جا رہی ہے۔ اِس منصوبے کے تحت سندھ کے نکرجی (Nukerji)علاقے میں ایک تربیتی مرکز قائم کیا گیاجس کا مقصدہر تین ماہ کے دوران 40 افراد کو زراعت سے متعلق تربیت اور ضروری ہدایت فراہم کرنا تھا۔40 افراد کو ہر تین ماہ بعد گنّا، چاول ، گندم اُگانے ، پولٹری فارمنگ، مارکیٹنگ اور پودوں کی بیماریوں اور کیڑوں مکوڑوں کے کنٹرول کی تربیت دی گئی۔ جبکہ اِس کورس کے اختتام پر تربیت یافتہ افراد کو یا تو ملازمت دی گئی یا پھر کاشت کاری کے لئے زمین فراہم کی گئی۔

ریٹائرڈ فوجیوں کی آبادکاری کا پروگرام

سابقہ فوجیوں کی آبادکاری کے پروگرام کے تحت جس طرح پہلی جنگِ عظیم سے ریٹائرڈ ہونے والے ملٹری افسروں کو بلحاظ عہدہ اراضی کی الاٹمنٹ کی گئی اِسی طرح سندھ میں تین لاکھ ایکڑ رقبہ اِس مقصد کے لئے مختص کیا گیا ۔جب کہ مغربی پاکستان اور انڈیا کی سرحد کے ساتھ ساتھ زمین کی مجموعی تعداد جو فوجیوں کوعہدہ وار الاٹ کی گئی کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عہدے	ایکڑوں کی مجموعی تعداد
میجر جنرل اور اُس سے اُوپر کے عہدوں کیلئے	240 ایکڑ
برگیڈیئر اور کرنل	150 ایکڑ
لیفٹیننٹ کرنل	124 ایکڑ
لیفٹیننٹ سے میجر تک	100 ایکڑ
جونئیر کمشنڈ افسر	64 ایکڑ
نان کمشنڈ افسر اور دیگر نچلے عہدے	32 ایکڑ

ماخذ: کمال صدیقی

اکبر زیدی کے حوالے سے محمدحسن خان لکھتے ہیں کہ " 1956 ء کے وسط میں جب پنجاب اور سندھ میں نئی آبپاشی اور آباد کاری کی سکیمیں زیرِ عمل لائی گئیں تو سول اور فوجی بیورو کریسی کو واضح طور پر آبپاشی والی زمینوں کے لئے ترجیح دی گئی ۔ مغربی پاکستان اور انڈیا کے ساتھ ساتھ سرحد پر ملٹری افسروں کو زمینیں عطا کرنے کا مقصد ریٹائرڈ ملٹری افسروں کی ایک محفوظ عسکری لائن پیدا کرناتھا۔ " اور سب نے دیکھا کہ 1971 ء کی جنگ کے دوران اِس محفوظ عسکری لائن نے کیا کردار ادا کیا یا مُلکی تحفظ کیلئے اُن کا کیا کردار رہا۔ اِس سلسلے میں عرفان حسین کا مشاہدہ ہے کہ سرحد کا ایک بہت بڑا حصّہ ریٹائرڈ فوجی افسروں کو یہ "

نرالا عُذر" رکھتے ہُوئے دے دیا گیا کہ وہ اپنے زرعی کارکنوں کو تربیت دیں گے (پسِ پردہ فوجی تربیت) اور یوں حملہ آور انڈین آرمی کے خلاف ایک مزاحمت کی صُورت بنائیں گے۔ اگر مشقوں کا پسِ پردہ مقصد نظر انداز کر کے سوچا جائے کہ درانتیوں سے لیس غریب مزارعے بھارتی ٹینکوں کا سامنا کریں گے تو صورتِ حال خاصی مضحکہ خیز نظر آئے گی۔ ایک حیران کُن حقیقت یہ ہے کہ یہ اراضی 1972ء کی زرعی اصلاحات سے مُستثنٰی تھی۔ 1972 ء کی زرعی اصلاحات کی ریگولیشن نمبر 115 کی شق 9 (3) کا تیسرا حصّہ ملاحظہ ہو: "اِس کا اطلاق پاکستانی فوج کی دفاعی خدمات سے منسلک ممبران جو حاضر سروس ہوں یا ریٹائرڈ ہو چکے ہوں پر نہیں ہوتا۔" اراضی کی الاٹمنٹ نے سول اور فوجی بیورو کریسی کو حکمرانوں کے ساتھ اقتدار میں حصّہ دار بننے کا موقع فراہم کیا۔

اکبر زیدی 1959 ء کی زرعی اصلاحات پر یوں تبصرہ کرتے ہیں : اِن اصلاحات سے دراصل ہوا یہ کہ اقتدار میں جس پر چند جاگیردار قابض تھے ایک حکمتِ عملی کے تحت سول اور فوجی اشرافیہ بھی شامل ہو گئے۔فوجی افسروں کو زمینوں کی الاٹمنٹ پوری قوت سے جاری رہی جس نے غیر حاضر جاگیرداروں کی ایک نئی نسل کو جنم دیا۔ اِن الاٹ کی گئی زمینوں میں 3,70,000 سے زیادہ ایکڑ بیراج کے علاقوں میں تھی جبکہ سندھ کی بھی کچھ بہترین زرعی اراضی ملٹری کو الاٹ کی گئی ۔ اُس وقت کے صوبائی ریونیو وزیر

چوہدری محمد اقبال کی پنجاب اسمبلی کو مہیا کیجانے والی معلومات کے مطابق 1952 ء تا 1985 ء کے دوران پنجاب کی 448,024 ایکڑ زرعی اراضی 6150 فوجی افسروں اور دیگر عہدوں پر فائز فوجیوں کو الاٹ کی گئی بلوچستان میں بھی تقریباً 1,00,000 ایکڑ فوجی افسروں اور دیگر عہدے داروں کو دیئے گئے۔ اِسی طرح 20 سال گُزر چُکے ہیں اور تب سے اب تک کوئی نہیں جانتا کہ مزید کتنی اراضی فوجی اور سول افسروں میں تقسیم کی گئی ۔

جائیداد کی خریدوفروخت کا عمل

ملٹری نے جائیداد کی خریدوفروخت سے کافی سرمایہ حاصل کیا۔ شہروں کو وسعت دینے کی غرض سے زرخیز زمین استعمال کی گئی او رجائیداد کی خریدوفروخت کا کاروبار اس قدر چمکا کہ اِس سے پہلے اِس کی مِثال نہیں ملتی۔ علاوہ ازیں پاکستان کے ہر شہری مرکز میں ڈیفنس ہائوسنگ سوسائیٹوں کا دفعتاً قیام عمل میں آنے لگا۔ عرفان حسین کے مُطابق برطانوی راج کے دوران زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے جوفوج کو دئیے گئے صرف اور صرف ملٹری مقاصد کے لئے استعمال کئے جا سکتے تھے۔

یہ زمینیں بیشتر پیداواری یاتعمیری مقاصد کے لئے نہیں ہوتی تھیں اور شہر کے مرکز سے کوسوں میل دُور ہوا کرتیں تھیں۔ مگر اب شہروں کو وسعت دینے کے عمل کے ساتھ یہ زمینیں خاصی اہمیت

حاصل کر گئی ہیں اور ایوب خان کے دور میں اِن میں سے کافی بڑا حصّہ جنرل ہیڈ کوارٹر کو ڈیفنس ہائوسنگ اتھارٹی (کراچی) کے لئے دے دیا گیا۔ تب سے یہ سلسلہ جاری رہا اور کوڑیوں کے داموں زمینیں حاضر سروس اور ریٹائرڈفوجی افسروں کو رہائشی مقاصد کیلئے الاٹ کی جاتی رہیں۔ جو فوری طور پر کئی گُنا زیادہ قیمت پر شہریوں کو فروخت کی گئیں اور پھر جِن پر بڑے بڑے شاندار بنگلے تعمیر ہونے لگے۔

عرفان حسین لکھتے ہیں:

> "۔مُلک میں یہ اب سب سے بہترین اور مہنگی
> کالونیاں ہیں۔ پاکستان میں ملٹری مُلک کا سب
> سے بڑا رئیل سٹیٹ آپریشن چلا رہی ہے۔"

جب " ترقی کا عمل " ایک منافع بخش کاروبار کی صورت اختیار کر جائے نیز خودفریبی کی حُکمِ بجا آوری اور کاروبار کی افزائش کے لئے پیشگی زیادہ زمین وقف کر دی جائے تب لوگوں کے لئے اِس کا اصل مقصد خدمت کی بجا آوری ہوتا ہے ایسی صورت میں یہ بہت شدید اور بے لگام ہو جاتا ہے۔

اِسی وجہ سے اکثر چھوٹے مالکان اراضی اپنی زمینیں ڈیفنس ہائوسنگ اتھارٹی (خصوصاً لاہور میں) کے حوالے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ عمل نہ صرف زمینی وسائل میں بے انتہا کمی کا

موجب بنتا ہے بلکہ زمین ہتھیانے، بدعنوانیوں، لاقانونیت اور عدم مساوات جیسی برائیوں کو بھی جنم دیتا ہے۔ فوجیوں کی قائم کردہ کالونیاں (ڈیفنس ہائوسنگ سوسائیٹیز) دولت اور طاقت کے جزیرے بن چُکی ہیں جب کہ دوسری طرف گنجان آباد شہر ہیں جہاں ہمیشہ سے کچی آبادیاں بنتی ہیں اور جن میں آبادی کا ایک بڑا حصّہ زندگی گذارنے پر مجبور ہے۔ مذکورہ صورتِ حال ظاہر کرتی ہے پاکستان میں ایک نیا اور طاقت ور طبقہ اُوپر آیا ہے جو اپنے مالی مفادات کیلئے فیصلہ سازی کے عمل کو متاثر کر سکتا ہے اور جو ایک مراعات یافتہ طبقہ بن چُکا ہے۔ ایسے طبقے سے فوج کو ہر گز مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ نئی حقیقت پاکستان میں طرزِ حکومت، جمہوریت اور غربت میں کمی کے مسائل کو پیچیدہ تر بناتی ہے اور ایسے گروپ جو مسلسل نقصان اُٹھا رہے ہوں قدرتی بات ہے کہ طاقت اور رتبے کے نئے تعمیرشدہ ڈھانچے کی مزاحمت کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

اکیسویں صدی میں زرعی اصلاحات کا ایجنڈا

اب تک ہونے والی مُختلف تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ غربت کے خلاف نیز سماجی انصاف کے لئے ،رواداری کے لئے اور جمہوری معاشروں کے لئے جنگ دیہی علاقوں میں لڑی جائے گی جہاں دنیا کی 70 فیصد غریب عوام آباد ہے ۔ چونکہ جنوبی ایشیاء میں زرعی شعبہ اہم ترین آجر (Employer)رہا ہے۔ لہذا زراعت (زمین) میں تحفظِ خوراک اور حقِ روزگار کے تحفظ کے لئے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

اِس تناظر میں عالمی بنک کی رپورٹ بجا طور پر خبردار کرتی ہے:

> " مُتحرک کرنے والے نظریہ کے طور پر معدوم ہوتے ہوئے مارکسی انقلاب کے ساتھ چین ،ویت نام، سپین اور میکسیکو میں شروع ہونے والی خانہ جنگیوں میں اتنی شدت نہ تھی جتنی کہ زمین کی غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں شروع ہونے والے فسادات سے پیدا ہونے والا عدم استحکام ہوسکتا ہے۔"

پاکستان میں اوکاڑہ ملٹری فارمز اور پنجاب سیڈ فارمز کے ہاریوں کی جدوجہد اِس شدید بدامنی کی واضح مِثالیں ہیں جہاں نیم فوجی دستے گزشتہ کچھ عرصہ سے صورتِ حال کو کنٹرول میں

کرنے کی غرض سے تعینات ہیں۔

زرعی اصلاحات کی بحث

1990ء کی دہائی کے دوران زرعی اصلاحات کا موضوع علاقائی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر معاشیات دانوں میں سب سے زیادہ زیر بحث رہا ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی اداروں نے اِس بحث کو بڑھاتے ہُوئے ایک بنیادی مسئلے پر روشنی ڈالی ہے اور وہ یہ ہے کہ دیہی غرباء زمین تک رسائی اور پٹے پر زمین کی مدّت کے تحفظ کے مسئلے سے دوچار ہیں۔ یہ ادارے صُورتِ حال کے حل کے لئے حقوقِ ملکیت کی ساختیاتی اصلاحات (Structural Reforms) تجویز کرتے ہیں جِس سے دیہی غربت میں کمی اور معاشی ترقی کی رفتار بڑھانے کی وسیع تر حکمت عملی کے طور پر زرعی مارکیٹ وجود میں آئے۔

ایک بُنیادی اور ادارہ جاتی ڈھانچے کی تشکیل کی ضرورت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا رہا ہے جو کہ:

☆ ماحولیاتی اور ثقافتی وسائل کے تحفظ کے وسیلے کے طور پر حقوقِ ملکیت کو یقینی بنانے میں مدد دے۔

☆ زمین کو کرایے پر دینے او ر اِسکی فروخت اور مارکیٹ کے تبادلے کو فروغ دیتے ہوئے تعمیر وترقی میں سہولت مہیا

کرے۔

☆ زمین کا مالیاتی مارکیٹوں کے ساتھ رابطہ جوڑے۔

☆ مقامی حکومت کے لئے زمین کا اس طرح سے استعمال کرنا کہ وہ ریونیو کا ایک پائیدار ذریعہ بن سکے۔

☆ غریبوں کے لئے اور روایتی طور پر رائے دہی سے محروم لوگوں کے لئے زمین تک رسائی کو بہتر بنانے میں مدد دے۔

بین الاقوامی مالیاتی ادارے جو پیکج پیش کرتے ہیں اِس میں زرعی محاصل کی جامع اصلاحات زمین کی ملکیت، زمین کی رجسٹریشن، ریونیو کے نظام میں بہتری، زمین کا انتظام و انصرام نیز زمین کی خریدوفروخت کے معاملات اور زمین کو پٹے پر دینے کی پابندیوں کا اخراج شامل ہیں۔

زرعی مارکیٹیں

یہاں زیادہ تر اخراجات پر زور دیا جاتا ہے:

☆ اصلاحات کے زریعے زرعی مارکیٹ کے عمل میں حائل رکاوٹوں کو دُور کرنا جن کا مقصد اراضی کے قانونی فیصلوں پر اُٹھنے والے اخراجات میں کمی کرنا، صحیح ملکیت کا اجراء اور متعلقہ پارٹیوں کو مارکیٹ سے متعلق قطعی اطلاعات کی آسان فراہمی شامل ہیں۔

☆ اراضی سے متعلق ایسے قانون وضع کرنا جوغیر یقینی حالات

ختم کریں۔ اراضی کے بندوبستی نظام تک شفاف اور آسان
رسائی ممکن بنائیں تنازعات نپٹانے کے لئے اِداروں کا قیام اور
حقوقِ ملکیت کو اداراتی صُورتِ دینا شامل ہو۔

زرعی اصلاحات کا یہ نکتہ نظر چیلنج کیا گیا ہے۔ اِس پر تنقید کرنے والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرضوں کی سہولت کے ذریعے ہی دیہی غرباء کی زمین تک رسائی ممکن ہو سکے گی جس سے وہ زمین خریدیں گے، اُنہیں ایسی تکنیکی معاونت فراہم کی جائے گی جو اُنہیں معاشی کھیتی باڑی کی ضروریات کے مُطابق کاشت کاری کے قابل بنا سکے گی اور اُنہیں مارکیٹ سپورٹ دی جائے گی۔ تنقید کرنے والے کہتے ہیں کہ ہر چیز قیمتاً میسر ہوتی ہے چنانچہ کسان بتدریج قرضوں کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ کسانوں کے لئے قرضہ با آسانی دستیاب ہے جس سے وہ زمین تک رسائی حاصل کرتا ہے اور زراعت کیلئے مطلوبہ سامان مثلاً بیج، کھاد، کرم کُش ادویات، آبپاشی کی سہولت اور منڈی کا طریقہ کار اُس کی قوتِ خرید اور پہنچ میں ہوتے ہیں۔ مارکیٹ کی قوتیں قرضوں کی فراہمی کے لئے ہر قدم پر اُس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ مگر قدرت کی بے یقینی اور اِس سے بھی زیادہ مارکیٹ کے اُتار چڑھاؤ نتیجتاً اُسے برباد کریں گے۔ کھیتی باڑی میں معاشی بڑھوتی کے فقدان کے نتیجے میں کِسان مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی زمین کسی بڑے جاگیردار یا بیرونی سرمایہ کار کو براہِ راست فروخت کر

دے اور خود شہروں کی طرف ہجرت کر جائے۔
زرعی اصلاحات کے لئے مُختلف نکتہ نظر اختیار کیا گیا۔

☆ زمین کی از سرِ نو تقسیم

☆ تحفظ میعاد

☆ اراضی کی تنظیمِ نو (خصوصاً سابقہ سوشلسٹ ریاستوں میں)

☆ عوامی شعبے میں زمین سے متعلق اداروں کی صلاحیتِ کارمیں بہتری

بعض ماہرین تجویز کرتے ہیں کہ زرعی اصلاحات کے دائرہ کو وسعت دینا ناگزیر ہے او راِسے صرف زمین کی تنظیمِ نو یا اُجرتوں اور قیمتوں کی نظرِثانی شُدہ حد بندی تک محدود نہیں ہوناچاہیے۔ مؤثر بنانے کی غرض سے زرعی اصلاحات ایسی ہونی چاہئیں کہ یہ سلسلہ وار تنظیم نو کے وسیع تر مقصد کا حصّہ نظر آئیں جو ساتھ ساتھ دیگر شعبوں خصوصاًپانی ، توانائی، عوامی شعبے کے زمین سے متعلقہ اداروں اور اِن سب سے پہلے وسیع تر زرعی پالیسی میں اصلاحات کا بیڑا اُٹھائیں۔ گہرائی و سنجیدگی سے کی جانے والی زرعی اصلاحات کو یقینی بنائیں کہ زمین کی از سرِ نو تقسیم کا عمل با مقصد ثابت ہو تا کہ چھوٹے کِسان اپنی زمین کو پیداواری اثاثہ بنانے کے قابل ہوں۔

برازیل میں زرعی اصلاحات کے تجربے سے یہ سبق سیکھا جا سکتا

ہے جس کے تحت 1995ء اور 2001ء میں 542,000 خاندانوں میں 18 ملین ہیکٹر زمین تقسیم کی گئی جس پر 6.5 بلین ڈالر سرکاری خرچ اُٹھا مگر ہوا کیا! جن خاندانوں نے اراضی حاصل کی وہ ابھی تک اِس سے لا تعلق ہوئے بیٹھے ہیں کیونکہ یہاں زمین کو معاشی طور پر نمو پزیر بنانے کے لئے پانی، بجلی او ر ذرائع آمدورفت میسر نہیں ہیں۔ ماہرین تجویز کرتے ہیں کہ محدود نقطئہ مرکز سے آگے بڑھناوسیع تر مفادات و مقاصد کو جنم دیتا ہے اور نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زرعی اصلاحات کا ایک پیکج دیا جا سکتاتھا جس میں تحفظِ خوراک اور اراضی کا تحفظ شامل ہوتا ہے یا پھر اِسے اراضی سے متعلق اداروں اور عدلیہ نیز قانونی نظاموں کے ساتھ منسلک کر دیا جاتا جس کے ساتھ ساتھ عدم مرکزیت بھی ہوتی۔

تجارتی بُنیادوں پر زراعت نے کچھ سوالات بھی اُٹھائے ہیں جِس میں ایک غیر معمولی مسئلہ حل طلب ہے اور وہ یہ کہ زراعت برائے تجارت کی ضروریات کو ایسے نظاموں کی بحالی کے ساتھ کیسے متوازن بنایا جائے جو غریب عوام کی ضروریات کے حسبِ حال ہوں افزائش آبادی اور شہروں کی طرف بڑھتی ہوئی نقل مکانی ایک دوسرا مسئلہ ہے جو کہ اراضی کے وسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ افزائشِ آبادی کا مطلب ہے زمین اور غذائی طلب میں اضافہ ۔ جس کا نتیجہ سماجی تنازعات میں اضافہ کی صورت میں نمودار ہو گا۔

اپریل مئی 2004ء کے دوران پنجاب نے صوبے سے باہر گندم کی نقل و حرکت پر پابندی کا فیصلہ کیاجس پر تینوں صوبوں نے کافی شور مچایا ۔ چُونکہ تینوں صُوبوں میں گندم کی قلت تھی چنانچہ قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ بلوچستان اورصوبہ سرحدنے دھمکی دی کہ اگر پنجاب نے پابندی ختم نہ کی تو اُسے گیس اور بجلی کی سپلائی منقطع کر دی جائے گی۔ یہ تین ماہ سے بھی کم عرصہ میں گندم کا دُوسرا بڑا بُحران تھا جس میں بہت سے شہروں میں گندم کی قیمتیں بہت اُوپر چلی گئی تھیں اور دوکانوں پر آٹے کی قلت ہو گئی تھی۔ اِس تناظر میں وسیع پیمانے کی کھیتی باڑی اہم کردار ادا کر سکی خصوصاً شہری مارکیٹوں میں رسد کی فراہمی میں۔ جبکہ چھوٹے پیمانے کی کھتیی باڑی صرف دیہی حقِ معاش کا ذریعہ ہی بن سکی۔ تاہم یہ تصور کھیتی باڑی کرنے والے دو طبقوں میں واضح تقسیم کا موجب بنا۔ اِن میں ایک تو وہ خوشحال کاشتکار تھے جو زراعت سے متعلق کاروبار سے منسلک تھے اور دوسرے وہ چھوٹے کِسان جو تجارتی بنیادوں پر زراعت کی منڈی کی طلب سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

پاکستان کے تناظر میں زرعی اصلاحات

پاکستان میں زرعی اصلاحات سماجی یا معاشی مسئلے کی نسبت ہمیشہ سیاسی مسئلہ رہی ہیں۔ کمیونزم کے خوف یا اندرونی سیاسی ضروریات کے پیش نظر شروع میں زرعی اصلاحات سیاسی فوائد کے لئے متعارف کرائی گئیں۔ حقیقتاً 72ء کی زرعی اصلاحات کا اعادہ جلد بازی میں کیا گیا۔ تفصیلات منظرِ عام پر لانے سے قبل اِن اصلاحات کے مضمرات کا پوری طرح سے جائزہ نہیں لیا گیا۔ 70 ء کے انتخابات کے دوران کئے گئے وعدے اتنے زیادہ تھے جو عام حالات میں پُورے نہیں کئے جا سکتے تھے۔ جبکہ سقوط ڈھاکہ کے باعث اس وقت پاکستان غیر معمولی حالات کا سامنا کر رہا تھا۔

عوامی یادداشت سے ماؤف

ضیاء کے مارشل کے بعد بھٹو کی طرف سے 1977ء میں متعارف کرائی گئی زرعی اصلاحات کو نافذ نہ کیا جا سکا۔ گزشتہ 15 برس کے دوران نجکاری کے عمل کو متعارف کرانے اور سوشلسٹ نظریئے کے دھندلانے کے باعث عوام کے ذہنوں سے زرعی اصلاحات کا تصور آہستہ آہستہ محو ہونا شروع ہو گیا۔ 1989 ء میں وفاقی شرعی عدالت نے زرعی اصلاحات کو غیر اسلامی قرار دے دیا جس کے بعد **اِن اصلاحات کا راستہ مکمل طور پر روک دیا گیا۔** اِس دوران چھوٹے کاشتکاروں اور کسانوں کی حالت زار اور مجموعی طور پر

زمین کی زبوں حالی اور آبی ذخائر میں بتدریج کمی جیسے حالات حکومتی ایجنسیوں، پالیسی سازوں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کی نظروں سے اُوجھل رہے۔ وہ شہر اور دیہات میں رہنے والے غریبوں کے سنجیدہ مسائل پر توجہ دینے کی بجائے میڈیا کے پسندیدہ اور ہیجان خیز سماجی مسائل کاروکاری اور ثقافتوں کو چیلنج کرنیوالی شادیوں میں زیادہ دلچسپی لیتے رہے۔ اِس دوران کارپوریٹ فارمنگ کے نظریہ کو ترقی دی گئی۔ جون 2002ء میں وفاقی کابینہ نے کارپوریٹ فارمنگ کو متعارف کرانے کی منظوری دی حالانکہ سول سوسائٹی کی تنظیمیں اور کاشتکار تنظیمیں اس کے سخت مخالف تھیں۔ اُن کاموقف تھا کہ کارپوریٹ فارمنگ کی موجودگی میں ہاری ملٹی نیشنل کمپنیوں کامقابلہ نہیں کر سکے گا اور انہیں سرمایہ دار کے دبائو یا دھمکی کے پیشِ نظر اپنے فارم فروخت کرنا پڑیں گے۔

حقِ ملکیت کے لئے کسانوں کی جدوجہد

اِس مایوس کُن صُورتِ حال میں کسان تنظیموں کی طرف سے زرعی اصلاحات کے حق میں کوئی مطالبہ نہ کیا گیا کیونکہ وہ کمزور تھیں۔ تاہم اوکاڑہ ملٹری فارمز اور پنجاب سیڈز فارمز پر کام کرنیوالے ہاریوں نے اپنے اور زمین کے حقوق کی جدوجہد شروع کر دی۔ ہاری جو کئی دہائیوں سے اِس زمین کو کاشت کر رہے تھے

اور اپنے مالکانہ حقوق لینے کی جنگ لڑ رہے تھے۔ جن کی جدوجہد کو کچلنے کے لیے فوج کو استعمال کیا گیا اگر یہ کہا جائے کہ وہ یہ جنگ اکیلے لڑرہے تھے تو غلط نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ ملک کے دیگر حصّوں سے تعلق رکھنے والے ہاریوں کی حمایت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

سول سوسائٹی کی کچھ تنظیمیں اور سیاسی گروپ اِن کی مدد کے لئے آگے بھی آئے مگر قومی سطح پر کسی اجتماعی اور منظم جدوجہد کے بغیر کسان اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ فوج کے لیے یہ عزت کا معاملہ ہے جبکہ کسانوں کے لیے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ۔

سندھ میں جبری مشقت کرنے والے ہاری

ہیومن رائٹس کمشن آف پاکستان ،انسٹیٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ "پائلر" نے سندھ کے دور دراز علاقوں میں جبری مشقت کے تحت کام کرنے والے ہاریوں کے مسئلے کو اُٹھایاہے۔ پائلر کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ سندھ کے وڈیرے عام طور پر ہاریوں کے حقوق کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں ۔ فصل کے حصّہ داروں سے بیج کی قیمت زبردستی وصُول کی جاتی ہے جو 1972 ء کے ترمیم شدہ لینڈریفارمز ریگولیشن کی خلاف ورزی ہے۔ بھاری قرضوں تلے دبے ہاری کو ایک وڈیرہ دوسرے وڈیرے کو فروخت کر دیتا ہے۔فروخت

کرنے والا وڈیرہ سندھ مزارع ایکٹ کی خلاف ورزی اس طرح کرتا ہے کہ وہ مستقل حقوق رکھنے والے ہاریوں کو غیر قانونی طریقے سے نکال دیتا ہے۔ یہاں ٹیننسی (Tenancy)ایکٹ میں ایک اور بات بڑی دلچسپ ہے کہ یہ وڈیرے کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے ہاری کو کسی اور جگہ کام کرنے سے روک سکتا ہے۔ ایکٹ میں یہ بات بھی واضح ہے کہ وڈیرہ گھریلو ضروریات کے لئے دیا گیا اناج اور تمام اُدھارہاری کی موجودہ اورمستقبل کی فصلوں میں سے کاٹ سکتا ہے۔ ایکٹ میں یہ بات تفصیل سے بتائی گئی ہے کہ ہاری اگر وڈیرے کا مقروض ہے تو وہ اُسے چھوڑنے سے قبل تمام اُدھار واپس کرنے کا پابند ہو گا۔

گروہی سیاسی تعصبات

شہری مڈل کلاس کے وجود میں آنے کے بعد اور اُس کی طرف سے اقتدار میں شراکت کی کوشش سے زرعی اصلاحات کا مسئلہ کم وبیش نسلی سیاسی مسئلہ بن گیا ہے۔ زرعی اصلاحات کے تحت زمین کی تقسیمِ نو کا مطالبہ شہروں میں رہنے اور اُردو بولنے والی مڈل کلاس کی طرف سے کیا گیا تھا جِس کا مقصد بڑے بڑے جاگیرداروں کی قوت کو ختم کرنا تھا۔ یہ لوگ اقتدار میں اپنی شراکت کے لیے سندھ کی دیہی اشرافیہ اور پنجاب میں بڑے سرائیکی جاگیرداروں سے اقتدار کی جنگ میں ملوث پنجابی تاجروں

کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اپنے مشترکہ مقصد یا ریاستی دبائو کے تحت یہ سب ایک مرکز پر اکٹھے ہو گئے۔ جبکہ حریف گروہوں اور سماجی طبقوں کے درمیان اپنی اپنی جگہ حاصل کرنے کے لیے جنگ بھی جاری رہی ۔ حتیٰ کہ زمین اور پانی جیسے قدرتی ذرائع کی تقسیم میں بھی نسلی امتیاز چھایا رہا۔ معاشرے کے با اثر نسلی گروپوں سے تعلق رکھنے والے سرکاری حکام کے انتقام کا سب سے بڑا نشانہ کسان بنے ۔ ان لوگوں کو انتظامی ہتھکنڈوں سے کسی بھی قسم کی سہولیات لینے سے روکا گیا جس سے مختلف نسلی گروپوں میں نفرت تیزی سے بڑھنا شروع ہو گئی۔

سوچ بچار کرنے والے اداروں کا کردار

اہل فکر و دانش اپنی مخصوص ترجیحات اور ایجنڈوں کے ساتھ زرعی اصلاحات کی اہمیت کو کمتر کرنے پر عمل پیرا رہے جو کہ ترقی کیلئے مضبوط سماجی معاشی حل ہے۔بڑے بڑے اعلیٰ تحقیقاتی اداروں نے شہری دیہاتی تفریق کے تناظر میں زرعی اصلاحات کو کوئی خاص اہمیت نہ دی ۔ محبوب الحق ہیومن ڈویلپمنٹ سنٹر از سر نو منقسم زرعی اصلاحات کی ضرورت پرزور دیتے ہُوئے لکھتا ہے کہ متوسط شہری طبقے کا یہ مطالبہ زور پکڑتا جا رہا ہے کہ معاشی فیصلہ سازی کے عمل میں اور سیاست میں دیہی اشرافیہ کے غیر متوازن طاقت کو کچلنے کے

لیے زرعی اصلاحات اور زرعی ٹیکس کا نظام لایا جائے۔
مذکورہ مطالبہ بڑے سادہ اور کمزور نکتہ نظر پر مبنی ہے۔متعلقہ سنٹر تجویز کرتا ہے کہ اگر تمام کاشتکاروں کو کچھ زمین مِل جائے تو زمین پر آبادی کے دبائو کو مدِنظر رکھتے ہوئے ملکیت اراضی کی حد بندی کافی کم رکھی جانی ضروری ہے۔ اِس تناظر میں زیر آبپاشی زمین کی بالائی حد بندی 12.5 ایکڑ عین موزوں ہو گی۔ بارانی علاقوں میں یہ حد بندی 25 ایکڑ ہونی چاہیئے۔ اِن حد بندیوں کا اطلاق خاندان کی ملکیت پر ہونا چاہیئے تا کہ زمین کا ایک بڑا رقبہ گھر کے مختلف افراد کے نام کرنے کے عمل کو روکا جائے۔ سنٹر صرف بالائی حدتجویز کرتا ہے اور کم از کم زیریں حد کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔
جبکہ 12.5 ایکڑ کی ملکیت جس وقت اگلی نسل کو تقسیم کی جاتی ہے جب اِس کی نموپذیری قریب قریب زائل ہو رہی ہوتی ہے۔ حتی کہ 30 برس قبل ایسی ملکیت منافع بخش تصور نہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ نومبر 1995ء میں 12 ایکڑ پر مشتمل آب پاش رقبے اور 25 ایکڑ ایسا رقبہ جوآب پاش نہ تھا کو زرعی مالیت کی ادائیگی سے مستشنیٰ قرار دے دیا گیا۔ سنٹر اگرچہ زرعی ٹیکسیشن اور زرعی اصلاحات دونوں کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن جب ملکیت اراضی گزربسر کی سطح سے نیچے ہو گی تو کسان زرعی ٹیکس کیسے ادا کر سکتا ہے؟

ایس ڈی پی آئی۔ کے مطابق بارانی علاقوں میں 12 ایکڑ سے کم اور آ ب پاش علاقوں میں 15 ایکڑ سے کم بہت چھوٹے کھیت کم بارآور ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کفایتی کاشت کاری نہیں ہو گی یعنی کھیت بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے کھیتی باڑی کے لیے مطلوبہ ضروریات (پانی ، کھاد، بیج) کے صحیح استعمال سے عدم واقفیت ہو گی۔

پاکستان میں 99-1998 ء میں 80 فیصد فعّال ملکیت اراضی 12.5 ایکڑ سے کم تھی ۔ اتنا بڑا حصّہ چھوٹے چھوٹے فعال ملکیت اراضی کے لیے مزروعہ بنایا گیا اور خود کاشت کاری کی تحریک دی گئی جب کہ وسیع ترمسئلہ زرعی اصلاحات سے زیادہ کسانوں کے مفادات سے متعلق اصلاحات کا ہے۔ چنانچہ بہت بڑی مقدار کے چھوٹے کھیتوں کے لیے پائیدار حق روزگار کو یقینی بنانے کے لیے تحقیقات کی ضرورت ہے۔

ایس ڈی پی آئی پی یہ تجویز کرتا ہے کہ خاندان کے افراد میں منتقلی کو روکنے کے لیے حد بندی کا نفاذ گھرانوں پر کیا جانا چاہیے۔ تا ہم زیر آبپاشی زمینوں کے لیے بالائی حد بندی 100 ایکڑ ہونی چاہیئے اور بارانی زمین کے لیے 200 ایکڑ ہونی چاہیے۔ ایس ڈی پی آئی جو کم از کم زیریں حد بندی تجویز کرتا ہے وہ فی خاندان زیر آبپاشی زمین پر 5 ایکڑ سے کم نہیں ہونی چاہیئے اور بارانی پر 12 ایکڑ سے کم نہ ہونی چاہیئے۔ یہاں یہ بات غور طلب

ہے کہ ہیومن ڈیویلپمنٹ سنٹر اور ایس ڈی پی آئی کی پیش کردہ سفارشات اِن دونوں اداروں کی طرف سے حقِ روزگار اور زمین کے نازک مسائل کو واضح طور پر سمجھنے کا اظہار ہے۔

اِن اداروں کے مطابق زرعی اصلاحات کا مسئلہ اُن کے ذہنوں میں بھی غیر واضح ہے جنہیں دیہی آبادی کے مسائل کے حل پیش کرنے ہیں۔ اداروں کے مطابق بہت سے شہری ذہن زرعی اصلاحات کو عام طور پر صرف سیاسی تناظر میں دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ نجی زمین کی ازسرِ نو تقسیم ہی تمام بیماریوں کا علاج ہے اور وہ یہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہاں کے سماجی ماحولیاتی اور معاشی حالات کیا ہیں۔

پاکستان کے تناظر میں زمین کا تصّور مساوات پر مبنی ترقیاتی حکمتِ عملی سے تعلق رکھتا ہو جو کہ:

☆ معاشی طور پر نموپذیر ہو۔

☆ اراضیاتی طور پر مضبوط اور مستحکم ہو۔

☆ سماجی طور پر تسلیم شدہ ہو اور

☆ ایک ادارہ جاتی ڈھانچے کی تشکیل کے ذریعے سیاسی طور پر قابل نفاذ ہو۔

☆☆☆☆☆

منصفانہ زرعی پالیسی کے لیے سفارشات

۔غریب عوام کی تعمیر کار اور حق معاش کے وسیع تر تناظر کو مدِنظر رکھتے ہوئے غریب دوست زرعی پالیسی کی تشکیل حکومت کی سب سے اوّلین ترجیح ہونی چاہیئے جو کہ نظریاتی سطح پر غریبوں کے معیار زندگی کو بہتر بنائے۔ زرعی اصلاحات ایک طویل المدتی عمل ہے جو کہ انتہائی موزوں زرعی پالیسی اور پائیدار معاونت کا متقاضی ہے ۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کہ نمایاں سیاسی اہمیت اور قابل لحاظ حساسیت کا حامل ہے اور جسے وسیع البنیاد مشاورتی عمل کے ذریعے حمایت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی منصفانہ زرعی پالیسی کے لیے جو زرعی اصلاحات اور زمین کی احاطہ بندی کے وسیع پیکج کی حامل ہومندرجہ ذیل اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں۔

1- تحقیق ، تجزیہ اور اعدادوشمار اکٹھے کرنا:

زرعی اصلاحات کے تمام مراحل کے دوران تحقیق و تجزیہ کا اہتمام اور اعدادوشمار کا اکٹھا کرنا ایک حساس کام ہے۔ پروگرام کے ڈیزائن اور نفاذ کے لیے گھرانوں کی نوعیت اور تعداد ،زمین کی ملکیت کا ارتکاز اور تقسیم ، زمین کی پیداوار، زمین کا کرایہ اوراِس کی آمدنی اِن سب

سے متعلق پیشگی اعداد و شمار اکٹھے کرنا ضروری ہیں۔

-2 سماجی انصاف اور معاشی کارکردگی :

زرعی اصلاحات کے تحت سیاسی طاقت اور طبقاتی کشمکش کی نسبت زراعت میں معاشی استعداد کار اور سماجی انصاف پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیئے۔

-3 زمین کی حد بندی کا پیکج

محض زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم ارضیاتی حد بندی کا قانون متعارف نہ کرایا جائے بلکہ دیگر اہم عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مکمل پیکج پیش کیا جانا چاہیئے۔

-4 عوامی زمین عوام کے لیے

سرکاری زمین صرف بے زمین ہاریوں اور چھوٹے کسانوں میں تقسیم کی جانی چاہیئے۔ عوامی زمین کی تقسیم عوامی فلاح کے لیے ہونی چاہیئے۔ جبکہ زمینداروں کی نسل اور خاکی جاگیرداروں (سول اورفوجی افسران) کو پروان چڑھانے کا سلسلہ فی الفور بند کیا جانا چاہیئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حکومت پاکستان نے اپریل 2002 ء میں یو این سی سی ڈی United Nation convention to Combat) Diecrttification) کو ایک رپورٹ پیش کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حکومت نے اثاثوں خصوصاً

سرکاری قبضے میں موجود اراضی کی چھوٹے کسانوں کو ازسر نو تقسیم کا ایک منصوبہ وضع کیا ہے۔

اصلاحات کے عزائم درج ذیل ہونے چاہیئے:

1- کاشت کاروں کو زمین کی منتقلی۔

2- مزارعوں کے لیے مدت تحفظ میں اضافہ جس کے لیے مسلسل مزارعتوں کو حقوق ملکیت میں تبدیل کیا جائے بالخصوص سرکاری اراضی پر کام کرنے والے مزارعوں کے لیے۔

5- حقوقِ ملکیت

مزارعوں کی خود مختاری اور حقوق ملکیت کو یقینی بنانے کے لیے مزارع ایکٹ (Tenancy Acts) جبری مشقت اور سرکاری اراضی سے متعلق شقوں میں ترمیم لائی جائے۔

6- قرضے منسوخ کرنا

چھوٹے کسانوں کے قرضے منسوخ کیے جائیں تا کہ وہ کم از کم اپنا پیٹ پالنے کے لیے کاشت کاری کے قابل ہو سکیں۔

7- عوام اور متعلقہ طبقے کی آگاہی کے لیے زرعی اصلاحات کے مختلف نکتہ ہائے نظر اور اُن کے متبادلات پر بحثوں کا آغاز کیا جائے۔

8- سماجی انصاف اور مساوات

انصاف اور مساوات پر مبنی سماجی تبدیلی کو یقینی بنانے کی غرض سے زرعی اصلاحات اور زمین سے متعلق مارکیٹ کے دعویداروں کے درمیان مصالحت کے لیے سہولت کاری سے متعلق ممکنہ حکمت عملیاں وضع کی جانی چاہیئے۔

9- سماجی شعور اُجاگر کرنا

پاکستان صارفین کا معاشرہ بنتا جا رہا ہے اور سماجی بیداری کم ہوتی جا رہی ہے۔ بڑے پیمانے پر عالمگیریت کی معاشی پالیسیوں اور چھوٹے پیمانے پر انسانی حقِ معاش پر پڑنے والے اثرات کے درمیان ربط قائم کر کے سماجی شعور کو ازسر نو اُجاگر کیا جائے۔

10- اشتمال اراضی کا عمل

پانی اور زمین کے وسائل کے بہتر انتظام و انصرام کے لیے اشتمال اراضی کے عمل کا آغاز کیا جانا چاہیئے۔

11- تنظیم سازی

فیصلہ سازی کے عمل میں اہم کردار ادا کرنے کی غرض سے کسانوں اور ہاریوں کی تنظیموں کی تشکیل کی جانی چاہیے اور اِن کی حوصلہ افزئی کی جائے۔ یہ تنظیمیں اور

کسانوں کی یونینیں زرعی اصلاحات کے عمل کی نگرانی کریں جس کے لیے انہیں تربیت بھی دی جانی چاہیئے۔

12- **ادارہ جاتی ضابطہ کار**

اصلاحات کے مناسب نفاذ کے لیے ادارہ جاتی ضابطہ کار وضع کرنے چاہئیے جو بعد از نفاذ اصلاحات کی نگرانی ، سروے اور اِن کے اثرات کا تجزیہ بھی کریں۔مؤثر طرز حکمرانی میں اراضی سے متعلق ادارے ایک فعال عنصر ہوتے ہیں اور جہاں یہ کمزور ہوتے ہیں وہاں بالخصوص غرباء کے حقوق کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ ادارہ جاتی اصلاحات وسیع تر زرعی اصلاحات کا اہم حصّہ ہونے چاہئیں۔

13- **وفاقی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیوں اور ضلعی حکومت کی سطح پر کمیٹیاں**

یہ کمیٹیاں اِس مقصد کے لئے تشکیل دی جائیں کہ اراضی سے متعلقہ مسائل بشمول روزگار کے مسائل کو دیکھیں۔

14- زمین کو غربت میں کمی اور عدم مرکزیت کی حکمت عملیوں کے ساتھ مربوط ہونا چاہیئے۔

15- زرعی اصلاحات صوبائی معاملہ ہونا چاہیئے اور اِس کی تمام تر ذمہ داری صوبائی حکومت پر ہونی چاہیئے۔

16- زرعی اصلاحات کے پروگرام کی مئوثر تشہیر ہونی چاہیئے اور اصلاحات سے استفادہ کرنے والوں تک بذریعہ ابلاغ اِسے پہنچایا جانا چاہیے۔

17- زمین سے متعلق مسائل بشمول سرکاری اراضی کی الاٹمنٹ کے متعلق معلومات تک رسائی کو آسان بنایا جائے۔

18- **مروجہ حقوق اراضی**

غریبوں کے مروجہ حقوق اراضی کو یقینی بنانے اور اِس کے تحفظ کی طرف خصوصی توجہ دی
جانی چاہیئے۔ ان میں جنگلات کی اراضی ، چراہ گاہیں اور کیچڑ والی زمین بھی شامل ہو۔

19- **عورتوں کے حقوق اراضی**

عورتوں کو زمین میں حق وراثت بھی دیا جانا چاہیئے۔ زمین کی تقسیم بے زمین ہاریوں میں شوہر اور بیوی دونوں کے نام مشترکہ طور پر الاٹ کی جانی چاہیئے۔

20- **کارپوریٹ فارمنگ**

کارپوریٹ فارمنگ کا مسئلہ اور خصوصی طور پر دیہی غربت اور حقِ روزگار پر پڑنے والے
اس کے اثرات کو زیر بحث لانا اور اس کا تنقیدی جائزہ لینے کی

ضرورت ہے نیز دیہی غرباء پر اِس کے منفی اثرات سے نپٹنے کے لیے با خبر رائے کو اُن تک پہنچانا چاہیئے۔

☆☆☆☆☆